حضرت اقدس بانی سلسلہ کی ایک خواہش

یکے از مطبوعات
شعبہ اشاعت لجنہ اماء اللہ ضلع کراچی بسلسلہ صد سالہ جشنِ تشکر

حضرت اقدس بانئ سلسلہ کی ایک خواہش

کتابِ تعلیم

مرتبہ

برکت ناصر ملک

یکے از مطبوعات
شعبہ اشاعت لجنہ اماء اللہ ضلع کراچی بسلسلہ صد سالہ جشنِ تشکر

(احمدی احباب کی تعلیم و تربیت کے لئے)

نام کتاب ———————— کتاب تعلیم

مرتبہ ———————— برکت ناصر ملک

شمارہ ———————— ۵۵

تعداد ———————— ایک ہزار

کتابت ———————— محمد ارشد

پرنٹر ———————— کے ایم انٹر پرائز کراچی

اظہارِ تشکر

شعبہ اشاعت محترمہ برکت ناصر صاحبہ (سیکرٹری مصباح) و انچارج سیلز سیکشن کا شکر گزار ہے جن کی کاوشوں سے یہ کتاب ترتیب پائی پھر اپنے بھائی بہنوں کو تحریک کی کہ اپنے والد مرحوم محترم مرزا محمد اسمٰعیل صاحب آف چین کو ایصالِ ثواب کے لئے کتاب کی اشاعت میں مالی تعاون کریں ان کا یہ احسان بھی قابلِ تشکر ہے کہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی کے دعائیہ خطوط عنایت فرمائے۔ اس خاندان کے لئے دعا کی تحریک کرنے کے لئے اسی تبرک سے (غیر مطبوعہ) دعائیہ اشعار پیش خدمت ہیں :-

(صفحہ نمبر ۱۵۹، ۱۶۰ پر ملاحظہ فرمائیں)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا بے حد و حساب شکر ہے کہ اس نے لجنہ اماء اللہ کراچی کو صد سالہ جشنِ تشکر کے موقع پر کتب شائع کرنے کی توفیق عطا کی ہے۔

حضرت مسیح موعود نے ایک موقع پر اپنی ایک خواہش کا اظہار فرمایا:

"میں چاہتا ہوں کہ ایک کتاب تعلیم کی لکھوں ...... اس کتاب کے تین حصے ہوں گے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہمارے کیا فرائض ہیں اور دوسرے یہ کہ اپنے نفس کے کیا کیا حقوق ہم پر ہیں اور تیسرے یہ کہ بنی نوع کے ہم پر کیا کیا حقوق ہیں۔" (ملفوظات جلد اوّل نیا ایڈیشن صفحہ ۲۶)

حضرت اقدس کی اس خواہش کو ایک رنگ میں پورا کرنے کے لئے آپ ہی کی مقدس تحریرات سے ان عناوین کے تحت اقتباسات جمع کئے گئے ہیں۔ گویا یہ آپ ہی کی کتاب ہے۔

اس کتاب کو مرتب کرنے میں محترمہ عزیزہ برکت ناصر ملک صاحبہ کی کوشش شامل ہے۔ امۃ الباری ناصر صاحبہ نے ان کی معاونت کی ہے یہ دونوں شعبہ اشاعت میں بھرپور کام کرتی ہیں۔ کَانَ اللّٰہُ مَعَھُمَا۔

ناظر اشاعت ربوہ محترم سیّد عبدالحیٔ شاہ صاحب نے اس کتاب کی اشاعت کی اجازت دیتے ہوئے تحریر کیا:

"حضرت مسیح موعود...... کی ایک خواہش" نام کا مسودہ واپس ارسال خدمت ہے۔ نظارت کی طرف سے اس کی اشاعت

کی اجازت ہے ۔ ماشاء اللہ بہت اچھا مسودہ ہے اور اس
کی اشاعت حضرت مسیح موعود ...... کی خواہش کی تکمیل
کا باعث ہے ۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء "
اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ قارئین کرام یہ منتخب تحریرات پڑھ کر عمل
کریں اور ثواب دارین حاصل کریں ۔

سلیمہ میر
صدر لجنہ اماءِ اللہ ضلع کراچی

○

عرضِ حال

شعبہ اشاعت لجنہ کراچی نے صد سالہ جشن تشکر کے مبارک و مسعود موقع پر شاندار طریق پر علمی خدمات کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔ اسی سلسلے میں سیکرٹری اشاعت صاحبہ نے خاکسار کو حضرت اقدس مسیح موعود۔۔۔ کی ایک خواہش والے اقتباس کی روشنی میں اُن کے علم کلام سے اقتباسات کی تلاش کی دعوت دی ۔ ایک عارف باللہ کے کلام کی عظمت پر نظر رکھتے ہوئے اپنی کم علمی کے خوف سے جھجک گئی۔ مگر رات بھر نیند نہ آئی۔۔۔ یہ احساس شدت سے غالب رہا کہ ہم کونسا کام اپنی بہادری سے کرتے ہیں۔ سب کچھ مولا کریم کے احسان سے ہوتا ہے۔ ہمت کرکے اپنی مہربان بہن کو فون کیا۔ کہ ہر طرح حاضر ہوں۔ تھوڑی رہنمائی سے مطالعہ شروع کیا۔

حضرت اقدس کے خزائن میں غوطہ زن ہو کر ایسے ایسے بیش بہا انمول گوہر ملے۔ کہ اُن میں سے انتخاب کرنا آسان نہ تھا۔ دوسرے آپ کی تحریر ایسی مبسوط اور فصیح و بلیغ ہے کہ سیاق و سباق سے الگ کرکے کوئی ٹکڑا پیش کرنے سے مطالب کی طرف اشارہ تو ہو سکتا ہے۔ احاطہ نہیں ہو سکتا۔ آپ کی کتب کا بار بار ڈوب کر مطالعہ ضروری ہے۔

اللہ پاک سے دُعا ہے کہ ہماری ہر کتاب مقبول بہ درگاہِ الٰہی ہو۔ ہمارے وہ نیک مقاصد پورے ہوں جن کے تحت شعبہ اشاعت لجنہ کراچی اپنی شفیق صدر آپا سلیمہ میر کی زیر قیادت ایک فعال ٹیم کی طرح رواں دواں ہے۔

خاکسار اس موقع پر اپنے ناناجان میاں محمد اسمٰعیل مرحوم اور نانی جان امیر بی بی صاحبہ مرحومہ سکنہ نصیرہ ضلع گجرات کے درجات کی بلندی کیلئے درخواست دُعا کرتی ہے۔ ان بزرگوں نے امام وقت کو پہچانا اور مانا اور امام وقت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے دو بیٹے حفاظتِ مرکز قادیان کے لئے پیش کر کے ہمیں قربانی کے آداب سکھائے۔ اللہ پاک ہمیں نسلاً بعد نسلٍ اپنی خاص رحمتوں کا وارث بنائے آمین اللّٰھم آمین۔

طالبِ دُعا

برکت ناصر

نوٹ: ملفوظات اور روحانی خزائن کے حوالہ جات اُس نئے ایڈیشن سے لئے گئے ہیں جو نظارت اشاعت ربوہ کے زیر اہتمام شائع ہوا ہے۔

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	حقوق اللہ	
۱	ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے	۱۹
۲	اصل جنّت خداتعالےٰ ہے	۱۹
۳	ہمارا خدا وہ خدا ہے جو اب بھی زندہ ہے۔	۲۰
۴	حق اللہ یہ ہے کہ اُس کو واجب الاطاعت سمجھے۔	۲۲
۵	انسان کی پیدائش کی علّت غائی عبادت ہے۔	۲۳
۶	انسان کو انسانِ کامل بنانیوالا ایک کارگر اور خطا نہ کرنیوالا نسخہ	۲۶
۷	گناہ کے دُور کرنے کا علاج	۲۷
۸	خداتعالیٰ کو حاصل کرنے کا نسخہ استغفار اور توبہ۔	۲۸
۹	انصاف کی پابندی سے خداتعالیٰ کی اطاعت۔	۳۰
۱۰	اللہ جلشانہٗ اپنے وجود سے آپ خبر دیتا ہے۔	۳۵
۱۱	خداتعالیٰ تک پہنچنے کے آٹھ وسائل	۳۶
۱۲	خداتعالیٰ کی ہستی پر یقین نافرمانی سے بچاتا ہے۔	۴۴
۱۳	دُنیا لہو ولعب سے زیادہ نہیں معرفت الٰہی میں حقیقی لذّت ہے۔	۴۵

حقوق اللہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(۱)

ہمارا بہشت ہمارا خُدا ہے

" ہمارا بہشت ہمارا خُدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خُدا میں ہیں۔ کیوں کہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کریگا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھادوں کس دف سے میں بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سُن لیں اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سُننے کیلئے لوگوں کے کان کھلیں۔" (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۲۱)

(۲)

اصل جنّت خُدا تعالیٰ ہے

وَعَدَ اللّٰہُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا وَمَسٰکِنَ طَیِّبَۃً فِیۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ ؕ وَرِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکۡبَرُ ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ۠ (التوبہ: ۷۲)

"اعلیٰ درجہ کی خوشی خُدا میں ملتی ہے جس سے پَرے کوئی خوشی نہیں ہے۔ جنّت پوشیدہ کو کہتے ہیں۔ جنّت کو جنّت اس لئے کہتے ہیں کہ وہ نعمتوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ اصل جنّت خُدا ہے جس کی طرف تردّد منسوب ہی نہیں ہوتا۔ اس لئے بہشت کے اعظم ترین انعامات میں رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ہی رکھا ہے۔ انسان انسان کی حیثیت سے کسی نہ کسی دُکھ اور تردّد میں ہوتا ہے۔ مگر جس قدر قُربِ الٰہی حاصل کرتا جاتا ہے اور تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ سے رنگین ہوتا جاتا ہے۔ اسی قدر اصل سکھ اور آرام پاتا ہے جس قدر قربِ الٰہی ہوگا۔ لازمی طور پر اسی قدر خدا کی نعمتوں سے حصّہ لے گا اور رفع کے معنی اس پر دلالت کرتے ہیں۔"

(تفسیر سورہ مائدہ تا سورہ توبہ از حضرت مسیح موعود صفحہ ۲۶)

۳

ہمارا خُدا وہ خُدا ہے جو اَب بھی زِنْدہ ہے

"خُدا نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا۔ کہ مَیں اپنی جماعت کو اطلاع دوں کہ جو لوگ ایمان لائے ایسا ایمان جو اس کے ساتھ دنیا کی ملونی نہیں اور وہ ایمان نفاق یا بزدلی سے آلودہ نہیں اور وہ ایمان اطاعت کے کسی درجہ سے محروم نہیں۔ ایسے لوگ خدا کے پسندیدہ لوگ ہیں اور خدا فرماتا ہے کہ وہی ہیں جن کا قدم صدق کا قدم ہے

اے سننے والو سنو! کہ خُدا تم سے کیا چاہتا ہے۔ بس یہی کہ تم اسی

کے ہو جاؤ اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نا کرو نہ آسمان ہیں نہ زمین میں ہمارا خدا وہ خدا ہے جو اب بھی زندہ ہے ۔ جیسا کہ پہلے زندہ تھا اور وہ اب بھی بولتا ہے جیسا کہ وہ پہلے بولتا تھا اور اب بھی سُنتا ہے جیسا کہ پہلے سُنتا تھا ۔ یہ خیال خام ہے اُس زمانہ میں وہ سُنتا تو ہے مگر بولتا نہیں بلکہ وہ سنتا اور بولتا بھی ہے ۔ اس کی تمام صفات ازلی ابدی ہیں ۔ کوئی صفت بھی معطل نہیں اور نا کبھی ہو گی ۔ وہ وہی واحد لاشریک ہے جس کا کوئی بیٹا نہیں اور جس کی کوئی بیوی نہیں وہ وہی بے مثل ہے جس کا کوئی ثانی نہیں اور جس کی طرح کوئی فرد کسی خاص صفت سے مخصوص نہیں اور جس کا کوئی ہمتا نہیں ۔ جس کا کوئی ہم صفات نہیں اور جس کی کوئی طاقت کم نہیں وہ قریب ہے باوجود دُور ہونے کے اور دُور ہے باوجود نزدیک ہونے کے ۔ وہ تمثیل کے طور پر اپنے تئیں ظاہر کر سکتا ہے مگر اس کے لئے نا کوئی جسم ہے اور نا کوئی شکل ہے اور وہ سب سے اُوپر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ اس کے نیچے کوئی اور بھی ہے اور وہ عرش پر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ زمین پر نہیں وہ مجمع ہے تمام صفات کاملہ کا اور مظہر ہے تمام محامد حقّہ کا اور سرچشمہ ہے تمام خوبیوں کا اور جامع ہے تمام طاقتوں کا اور مبدء ہے تمام فیضوں کا اور مرجع ہے ہر ایک شے کا اور مالک ہے ہر ایک ملک کا اور متصف ہے ہر ایک کمال کا اور منزّہ ہے ہر ایک عیب اور ضعف سے اور مخصوص ہے اس امر میں کہ زمین والے اور آسمان والے اسی کی عبادت کریں اور اس کے آگے کوئی بھی بات انہونی نہیں اور تمام روح اور ان کی طاقتیں اور تمام ذرات اور ان کی طاقتیں اسی کی پیدائش ہیں اس کے بغیر کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی وہ

اپنی طاقتوں اور اپنی قدرتوں اور اپنے نشانوں سے اپنے تئیں آپ ظاہر کرتا ہے۔ اور اس کو اسی کے ذریعے سے ہم پا سکتے ہیں - اور وہ راستبازوں پر ہمیشہ اپنا وجود ظاہر کرتا رہتا ہے اور اپنی قدرتیں ان کو دکھلاتا ہے اسی سے وہ شناخت کیا جاتا ہے اور اسی سے اس کی پسندیدہ راہ شناخت کی جاتی ہے۔" (روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۰۰)

(۴)

"حق اللہ یہ ہے کہ اس کو واجب الاطاعت سمجھے"

"اسلام کے معنی تو یہ تھے کہ انسان خدا تعالیٰ کی محبت اور اطاعت میں فنا ہو جاوے اور جس طرح ہر ایک بکری کی گردن قصاب کے آگے ہوتی ہے اسی طرح ہر مسلمان کی گردن خدا تعالیٰ کی اطاعت کے لئے رکھ دی جاوے اور اس کا مقصد یہ تھا کہ خدا تعالیٰ ہی کو وحدہٗ لاشریک سمجھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اس وقت یہ توحید گم ہو گئی تھی اور یہ دیش آریہ ورت بھی بتوں سے بھرا ہوا تھا - جیسا کہ پنڈت دیانند سرسوتی نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے۔ ایسے وقت میں ضرور تھا کہ آپ مبعوث ہوتے اس کا ہمرنگ یہ زمانہ بھی ہے جس میں بت پرستی کے ساتھ دہریت بھی پھیل گئی ہے اور اسلام کا اصل مقصد اور روح باقی نہیں رہی - اس کا مغز تو یہ تھا کہ خدا ہی کی محبت میں فنا ہو جانا اور اس کے سوا کسی کو معبود نہ سمجھنا اور مقصد یہ ہے کہ انسان بخدا ہو جاوے رو بہ دنیا نہ رہے ۔۔۔۔۔۔ حق اللہ یہ ہے کہ اس کو واجب الاطاعت سمجھے۔"

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۵۵۴)

۵

انسان کی پیدائش کی علّت غائی عبادت ہے

"اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ" خدا تعالیٰ کے سوا ہرگز ہرگز کسی کی پرستش نا کرو۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان کی پیدائش کی علت غائی یہی عبادت ہے۔ جیسا دوسری جگہ فرمایا۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ (الذّٰریٰت آیت: ۵۷) عبادت اصل میں اس کو کہتے ہیں کہ انسان ہر قسم کی قساوت۔ کجی کو دُور کرکے دل کی زمین کو ایسا صاف بنا دے جیسے زمیندار زمین کو صاف کرتا ہے۔ عرب کہتے ہیں مَوْرٌ مُّعَبَّدٌ جیسے سرمہ کو باریک کرکے آنکھوں میں ڈالنے کے قابل بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح جب دل کی زمین میں کوئی کنکر ناہمواری نا رہے اور ایسی صاف ہو کہ گویا رُوح ہی رُوح ہو اس کا نام عبادت ہے۔ چنانچہ اگر یہ درستی اور صفائی آئینہ کی کی جاوے تو اس میں شکل نظر آجاتی ہے۔ اور اگر زمین کی کی جاوے تو اس میں انواع و اقسام کے پھل پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس انسان جو عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اگر دل صاف کرے اور اس میں کسی قسم کی کجی اور ناہمواری کنکر پتھر نا رہنے دے تو اس میں خدا نظر آئے گا۔

اِنَّنِیْ لَکُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ[1] (سورہ ہود: ۳)

مَیں پھر کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے درخت اس میں پیدا ہو کر نشو و نما پائیں گے۔ اور وہ اثمار شیریں و طیب ان میں لگیں گے۔ جو اُکُلُهَا دَآئِمٌ (الرعد: ۳۶) کے مصداق ہوں گے۔

یاد رکھو کہ یہ وہی مقام ہے جہاں صوفیوں کے سلوک کا خاتمہ ہے

---

[1] ہود: ۳

جب سالک یہاں پہنچتا ہے تو خدا ہی خدا کا جلوہ دیکھتا ہے۔ اس کا دل عرشِ الٰہی بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر نزول فرماتا ہے۔ سلوک کی تمام منزلیں یہاں آکر ختم ہو جاتی ہیں کہ انسان کی حالت تعبّد درست ہو۔ جس میں روحانی باغ لگ جاتے ہیں اور آئینہ کی طرح خدا نظر آتا ہے۔

اسی مقام پر پہنچ کر انسان دنیا میں جنّت کا نمونہ پاتا ہے اور یہاں ہی هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا (البقرہ: ۲۶) کہنے کا حظ اور لطف اٹھاتا ہے۔

غرض حالت تعبّد کی درستی کا نام عبادت ہے۔ پھر فرمایا۔ اِنَّنِیْ لَکُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ۔ چونکہ یہ تعبّد تام کا عظیم الشان کام انسان بدوں کسی اسوہ حسنہ اور نمونۂ کاملہ کے اور کسی قوتِ قدسی کے کامل اثر کے بغیر نہیں کر سکتا تھا اس لئے رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں۔ کہ میں اسی خدا کی طرف سے نذیر و بشیر ہو کر آیا ہوں۔ اگر میری اطاعت کرو گے اور مجھے قبول کرو گے تو تمہارے لئے بڑی بڑی بشارتیں ہیں کیونکہ میں بشیر ہوں اور اگر ردّ کرتے ہو تو یاد رکھو کہ میں نذیر ہو کر آیا ہوں پھر تم کو بڑی بڑی عقوبتوں اور دکھوں کا سامنا ہوگا۔ اصل بات یہی ہے کہ بہشتی زندگی اسی دنیا سے شروع ہو جاتی ہے اور اسی طرح پر کورانہ زیست جو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول سے بالکل الگ ہو کر بسر کی جاوے جہنمی زندگی کا نمونہ ہے۔ اور وہ بہشت جو مرنے کے بعد ملے گا اسی بہشت کا اصل ہے اور اسی لئے تو بہشتی لوگ نعماء جنّت کے حظّ اٹھاتے وقت کہیں گے هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ دنیا میں انسان کو جو بہشت حاصل ہوتا ہے وہ وَقَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس: ۱۰) پر عمل

کرنے سے ملتا ہے۔ جب انسان عبادت کا اصل مفہوم اور مغز حاصل کر لیتا ہے تو خدا تعالیٰ کے انعام و اکرام کا پاک سلسلہ جاری ہو جاتا ہے اور جو نعمتیں آئندہ بعد مُردن ظاہری مرئی اور محسوس طور پر ملیں گی وہ اب رُوحانی طور پر پاتا ہے۔ پس یاد رکھو کہ جب تک بہشتی زندگی اسی جہان سے شروع نہ ہو۔ اور اس عالم میں اس کا حظ نہ اُٹھاؤ اُس وقت تک سیر نہ ہو اور تسلی نہ پکڑو کیوں کہ وہ جو اس دنیا میں کچھ نہیں پاتا اور آئندہ جنت کی اُمید کرتا ہے وہ طمع خام کرتا ہے۔ اصل میں وہ مَنۡ کَانَ فِیۡ هٰذِهٖۤ اَعۡمٰی فَهُوَ فِی الۡاٰخِرَةِ اَعۡمٰی (بنی اسرائیل: ۷۳) کا مصداق ہے۔ اس لئے جب تک ماسوائے اللہ کے کنکر اور سنگ ریزے زمینِ دل سے دُور نہ کر لو اور اُسے آئینہ کی طرح مصفّٰی اور سرمہ کی طرح باریک بنا لو صبر نہ کرو۔ ہاں یہ سچ ہے کہ انسان کسی مزکی النفس کی امداد کے بغیر اس سلوک کی منزل کو طے نہیں کر سکتا۔ اسی لئے اس کے انتظام و انصرام کے لئے اللہ تعالیٰ نے کامل نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجا اور پھر ہمیشہ کے لئے آپ کے سچے جانشینوں کا سلسلہ جاری فرمایا تاکہ ناعاقبت اندیش بے ہموں کا رد ہو۔ جیسے یہ امر ایک ثابت شدہ صداقت ہے کہ جو کسان کا بچہ نہیں ہے نلائی (گوڈی دینے) کے وقت اصل درخت کو کاٹ دے گا۔ اسی طرح پر یہ زمینداری جو رُوحانی زمینداری ہے کامل طور پر کوئی نہیں کر سکتا۔ جب تک کسی کامل انسان کے ماتحت نہ ہو۔ جو تخم ریزی آب پاشی۔ نلائی کے تمام مرحلے طے کر چکا ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرشد کامل کی ضرورت انسان کو ہے۔ مرشد کامل کے بغیر انسان کا عبادت کرنا اسی رنگ کا ہے جیسے ایک نادان اور ناواقف

بچہ ایک کھیت میں بیٹھا ہوا اصل پودوں کو کاٹ رہا ہے اور اپنے خیال میں وہ سمجھتا ہے کہ وہ گوڈی کر رہا ہے۔ یہ گمان ہرگز نہ کرو کہ عبادت خود ہی آجاوے گی۔ نہیں جب تک رسول نہ سکھلائے۔ انقطاع الی اللہ اور تبتّل تام کی راہیں حاصل نہیں ہو سکتیں۔

(تفسیر سورہ یونس تا سورہ الکہف از حضرت مسیح موعود ص۳۶ تا ص۳۷)

⑥

انسان کو انسانِ کامل بنانے والا ایک کارگر

اور

خطا نہ کرنے والا نسخہ

"یہ وہ دُعا ہے جو ہر وقت اور ہر نماز اور ہر رکعت میں مانگی جاتی ہے۔ اس قدر اس کا تکرار ہی اس کی اہمیّت کو ظاہر کرتا ہے ہماری جماعت یاد رکھے کہ یہ معمولی سی بات نہیں ہے اور صرف زبان سے طوطے کی طرح ان الفاظ کا رٹ دینا اصل مقصود نہیں ہے۔ بلکہ یہ انسان کو انسانِ کامل بنانے کا ایک کارگر اور خطا نہ کرنے والا نسخہ ہے جسے ہر وقت نصب العین رکھنا چاہیئے اور تعویذ کی طرح مدّنظر رہے۔ اس آیت میں چار قسم کے کمالات حاصل کرنے کی التجا ہے۔ اگر یہ ان چار قسم کے کمالات کو حاصل کرے گا تو گویا دُعا مانگنے اور خلق انسانی کے حق کو ادا کرے گا اور ان استعدادوں اور قویٰ کے بھی کام میں لانے کا حق ادا ہو جائے گا جو اس کو دی گئی ہیں۔"

(تفسیر سورہ فاتحہ از حضرت مسیح موعود ص۲۴۳)

۷

گناہ کے دُور کرنے کا علاج

"غرض گناہ کے دُور کرنے کا علاج صرف خدا کی محبت اور عشق ہے۔ لہٰذا وہ تمام اعمال صالحہ جو محبت اور عشق کے سرچشمہ سے نکلتے ہیں گناہ کی آگ پر پانی چھڑکتے ہیں۔ کیونکہ انسان خدا کے لئے نیک کام کر کے اپنی محبت پر مُہر لگاتا ہے۔ خدا کو اس طرح پر مان لینا کہ اس کو ہر ایک چیز پر مقدم رکھنا یہاں تک کہ اپنی جان پر بھی یہ وہ پہلا مرتبۂ محبت ہے جو درخت کی اس حالت سے مشابہ ہے جب کہ وہ زمین میں لگایا جاتا ہے اور پھر دوسرا مرتبہ استغفار جس سے یہ مطلب ہے کہ خدا سے الگ ہو کر انسانی وجود کا پردہ نہ کھل جائے اور یہ مرتبہ درخت کی اس حالت سے مشابہ ہے جب کہ وہ زور کر کے پورے طور پر اپنی جڑ زمین میں قائم کر لیتا ہے اور پھر تیسرا مرتبہ توبہ جو اس حالت کے مشابہ ہے کہ جب درخت اپنی جڑیں پانی سے قریب کر کے بچہ کی طرح اُس کو چوستا ہے۔ غرض گناہ کی فلاسفی یہی ہے کہ وہ خُدا سے جُدا ہو کر پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا دُور کرنا خدا کے تعلق سے وابستہ ہے۔ پس وہ کیسے نادان لوگ ہیں جو کسی کی خودکُشی کو گناہ کا علاج سمجھتے ہیں۔"

(روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۳۳۰)

۸

"خدا تعالیٰ کو حاصل کرنے کا نسخہ استغفار اور توبہ"

اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝ (ھود : ۴)

طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مشکل کام کیوں کر حل ہو سکتا ہے۔ اس کا علاج خود ہی بتلایا وَ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ۔ یاد رکھو دو چیزیں اس امت کو عطا فرمائی گئی ہیں۔ ایک قوت حاصل کرنے کے واسطے دوسری حاصل کردہ قوت کو عملی طور پر دکھانے کے لئے قوت حاصل کرنے کے واسطے استغفار ہے جس کو دوسرے لفظوں میں استمداد اور استعانت بھی کہتے ہیں۔ صوفیوں نے لکھا ہے کہ جیسے ورزش کرنے سے مثلاً مگدروں اور موگریوں کے اُٹھانے اور پھیرنے سے جسمانی قوت اور طاقت بڑھتی ہے اسی طرح پر روحانی مگدر استغفار ہے۔ اس کے ساتھ رُوح کو ایک قوت ملتی ہے اور دل میں استقامت پیدا ہوتی ہے۔ جسے قوت لینی مطلوب ہو وہ استغفار کرے۔ غفر ڈھانکنے اور دبانے کو کہتے ہیں۔ استغفار سے انسان ان جذبات اور خیالات کو ڈھانپنے اور دبانے کی کوشش کرتا ہے جو خدا تعالےٰ سے روکتے ہیں۔ پس استغفار کے یہی معنی ہیں کہ زہریلے مواد جو حملہ کر کے انسان کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں اُن پر غالب آوے۔ اور خدا تعالےٰ کے

احکام کی بجا آوری کی راہ کی روکوں سے بچ کر انہیں عملی رنگ میں دکھائے۔
یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں دو قسم کے مادے رکھے ہیں۔ ایک سمّی مادہ ہے جس کا موکل شیطان ہے اور دوسرا تریاقی مادہ ہے جب انسان تکبّر کرتا ہے اور اپنے تئیں کچھ سمجھتا ہے اور تریاقی چشمہ سے مدد نہیں لیتا تو سمّی قوت غالب آجاتی ہے۔ لیکن جب اپنے تئیں ذلیل و حقیر سمجھتا ہے اور اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی مدد کی ضرورت محسوس کرتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک چشمہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے اس کی رُوح گداز ہو کر بہہ نکلتی ہے۔ اور یہی استغفار کے معنی ہیں۔ یعنی یہ کہ اُس قوت کو پاکر زہریلے مواد پر غالب آجاوے۔ غرض اس کے معنی یہ ہیں کہ عبادت پر یوں قائم رہو۔ اوّل رسول کی اطاعت کرو۔ دوسرے ہر وقت خدا سے مدد چاہو۔ ہاں پہلے اپنے رب سے مدد چاہو۔ جب قوت مل گئی۔ تو تُوْبُوْٓا اِلَیْہِ یعنی خدا کی طرف رجوع کرو۔

استغفار اور توبہ دو چیزیں ہیں۔ ایک وجہ سے استغفار کو توبہ پر تقدم ہے کیونکہ استغفار مدد اور قوت ہے جو خدا سے حاصل کی جاتی ہے۔ اور توبہ اپنے قدموں پر کھڑا ہونا ہے۔ عادۃ اللہ یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے مدد چاہے گا۔ تو خدا تعالیٰ ایک قوت دے دے گا اور پھر اس قوت کے بعد انسان اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جاوے گا اور نیکیوں کے کرنے کے لئے اس میں ایک قوت پیدا ہو جاوے گی جس کا نام تُوْبُوْٓا اِلَیْہِ ہے۔ اس لئے طبعی طور پر بھی یہی ترتیب ہے۔ غرض اس میں ایک طریق ہے جو سالکوں کے لئے رکھا ہے کہ سالک ہر حالت میں خدا

سے استمداد چاہیے۔ سالک جب تک اللہ تعالیٰ سے قوت نہ پائیگا کیا کر سکے گا۔ توبہ کی توفیق استغفار کے بعد ملتی ہے۔ اگر استغفار نہ ہو تو یقیناً یاد رکھو کہ توبہ کی قوت مر جاتی ہے۔ پھر اگر اس طرح پر استغفار کرو گے اور پھر توبہ کرو گے تو نتیجہ یہ ہوگا يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى سنت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ اگر استغفار اور توبہ کرو گے تو اپنے مراتب پا لوگے ہر ایک شخص کے لئے ایک دائرہ ہے جس میں وہ مدارج ترقی کو حاصل کرتا ہے ہر ایک آدمی نبی۔ رسول۔ صدیق شہید نہیں ہو سکتا۔

غرض اس میں شک نہیں کہ تفاضل درجات امر حق ہے۔ اس کے آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان امور پر مواظبت کرنے سے ہر ایک سالک اپنی اپنی استعداد کے موافق درجات اور مراتب کو پا لے گا۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا۔ وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ۔ لیکن اگر زیادت لے کر آیا ہے تو خدا تعالیٰ اس مجاہدہ میں اس کو زیادت دے گا۔ اور اپنے فضل کو پالے گا جو طبعی طور پر اس کا حق ہے۔ ذی الفضل کی اضافت ملکی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ محروم نہ رکھے گا۔"

(تفسیر سورہ یونس تا سورہ الکہف از حضرت مسیح موعودؑ صفحہ ۲۸-۲۹)

۹

انصاف کی پابندی سے خدا تعالیٰ کی اطاعت

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۔ (سورۃ النحل آیت : ۹۱)

یہ آیت حق اللہ اور حق العباد پر مشتمل ہے اور اس میں کمال بلاغت یہ ہے کہ دونوں پہلو پر اللہ تعالیٰ نے اس کو قائم کیا ہے۔ حق العباد کا پہلو تو ہم ذکر کر چکے ہیں اور حق اللہ کے پہلو کی رُو سے اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ انصاف کی پابندی سے خدا تعالیٰ کی اطاعت کر۔ کیوں کہ جس نے تجھے پیدا کیا اور تیری پرورش کی اور ہر وقت کر رہا ہے اس کا حق ہے کہ تو بھی اس کی اطاعت کرے اور اگر اس سے زیادہ تجھے بصیرت ہو تو نہ صرف رعایت حق سے بلکہ احسان کی پابندی سے اس کی اطاعت کر کیوں کہ وہ محسن ہے اور اس کے احسان اس قدر ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے اور ظاہر ہے کہ عدل کے درجہ سے بڑھ کر وہ درجہ ہے جس میں اطاعت کے وقت احسان بھی ملحوظ رہے اور چونکہ ہر وقت مطالعہ اور ملاحظہ احسان کا محسن کی شکل اور شمائل کو ہمیشہ نظر کے سامنے لے آتا ہے اس لئے احسان کی تعریف میں یہ بات داخل ہے کہ ایسے طور سے عبادت کرے کہ گویا خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اور خدا تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے درحقیقت تین قسم پر منقسم ہیں۔ اوّل وہ لوگ جو بباعث محجوبیت اور رویت اسباب کے احسان الہٰی کا اچھی طرح ملاحظہ نہیں کرتے اور نہ وہ جوش ان میں پیدا ہوتا ہے جو احسان کی عظمتوں پر نظر ڈال کر پیدا ہوا کرتا ہے۔ اور نہ وہ محبت ان میں حرکت کرتی ہے جو محسن کی عنایات عظیمہ کا تصور کر کے جنبش میں آیا کرتی ہے بلکہ صرف ایک اجمالی نظر سے خدا تعالےٰ کے حقوق خالقیت وغیرہ کو تسلیم کر لیتے ہیں اور احسان الٰہی کی ان تفصیلات کو جن پر ایک باریک نظر ڈالنا اس حقیقی محسن کو نظر کے سامنے لے آتا ہے۔ ہرگز مشاہدہ نہیں کرتے۔ کیوں کہ اسباب پرستی کا گرد و غبار مسبب

حقیقی کا پورا چہرہ دیکھنے سے روک دیتا ہے۔ اس لئے ان کو وہ صاف نظر میسّر نہیں آتی جس سے کامل طور پر مُعطی حقیقی کا جمال مشاہدہ کر سکتے۔ سو ان کی ناقص معرفت رعایت اسباب کی کدورت سے ملی ہوئی ہوتی ہے اور بوجہ اس کے جو وہ خدا کے احسانات کو اچھی طرح دیکھ نہیں سکتے خود بھی اس کی طرف وہ التفات نہیں کرتے جو احسانات کے مشاہدہ کے وقت کرنی پڑتی ہے جس سے محسن کی شکل نظر کے سامنے آجاتی ہے بلکہ ان کی معرفت ایک دھندلی سی ہوتی ہے۔ وجہ یہ کہ وہ کچھ تو اپنی محنتوں اور اور اپنے اسباب پر بھروسہ رکھتے ہیں اور کچھ تکلیف کے طور پر یہ بھی مانتے ہیں کہ خدا کا حق خالقیت اور رزاقیت ہمارے سر پر واجب ہے اور چونکہ خدا تعالیٰ انسان کو اس کے وسعتِ فہم سے زیادہ تکلّف نہیں دیتا اس لئے ان سے جب تک کہ وہ اس حالت میں ہیں یہی چاہتا ہے کہ اس کے حقوق کا شکر ادا کریں۔ اور آیت اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ (النحل: ۹۱) میں عدل سے مراد یہی اطاعت برعایت عدل ہے مگر اس سے بڑھ کر ایک اور مرتبہ انسان کی معرفت کا ہے اور وہ یہ ہے کہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں۔ انسان کی نظر رویّت اسباب سے بالکل پاک اور منزّہ ہو کر خدا تعالیٰ کے فضل اور احسان کے ہاتھ کو دیکھ لیتی ہے اور اس مرتبہ پر انسان اسباب کے حجابوں سے بالکل باہر آجاتا ہے اور یہ مقولہ کہ مثلاً میری اپنی ہی آب پاشی سے میری کھیتی ہوئی اور میرے اپنے ہی بازو سے یہ کامیابی مجھے ہوئی یا زید کی مہربانی سے فلاں مطلب میرا پورا ہوا اور بکر کی خبر گیری سے میں تباہی سے بچ گیا۔ یہ تمام باتیں ہیچ اور باطل معلوم ہونے لگتی ہیں اور ایک ہی ہستی اور ایک ہی قدرت اور ایک ہی محسن اور ایک ہی ہاتھ نظر آتا ہے۔

تب انسان ایک صاف نظر سے جس کے ساتھ ایک ذرہ شرک فی الاسباب کی گرد و غبار نہیں ۔ خدا تعالیٰ کے احسانوں کو دیکھتا ہے اور یہ رویت اس قسم کی صاف اور یقینی ہوتی ہے کہ وہ ایسے محسن کی عبادت کرنے کے وقت اس کو غائب نہیں سمجھتا بلکہ یقیناً اس کو حاضر خیال کر کے اس کی عبادت کرتا ہے اور اس عبادت کا نام قرآن شریف میں احسان ہے اور صحیح بخاری میں اور مسلم میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کے یہی معنے بیان فرمائے ہیں ۔

اور اس درجے کے بعد ایک اور درجہ ہے جس کا نام اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی ہے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب انسان ایک مدت تک احسانات الٰہی کو بلا شرکت اسباب دیکھتا رہے اور اس کو حاضر اور بلا واسطہ محسن سمجھ کر اس کی عبادت کرتا رہے تو اس تصوّر اور تخیّل کا آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک ذاتی محبت اس کو جناب الٰہی کی نسبت پیدا ہو جائے گی ۔ کیونکہ متواتر احسانات کا دائمی ملاحظہ بالضرورت شخص ممنون کے دل میں یہ اثر پیدا کرتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ اس شخص کی ذاتی محبّت سے بھر جاتا ہے جس نے غیر محدود احسانات اس پر محیط ہو گئے پس اس صورت میں وہ صرف احسانات کے تصوّر سے اس کی عبادت نہیں کرتا بلکہ اس کی ذاتی محبّت اس کے دل میں بیٹھ جاتی ہے جیسا کہ بچہ کو ایک ذاتی محبت اپنی ماں سے ہوتی ہے ۔ پس اس مرتبہ پر وہ عبادت کے وقت صرف خدا تعالیٰ کو دیکھتا ہی نہیں بلکہ دیکھ کر سچے عشاق کی طرح لذت بھی اُٹھاتا ہے اور تمام اغراض نفسانی معدوم ہو کر ذاتی محبّت اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے اور یہ وہ مرتبہ ہے جس کو خدا تعالیٰ نے لفظ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی سے تعبیر کیا ہے اور اسی کی طرف خدا تعالیٰ

نے اس آیت میں اشارہ کیا ہے۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۔ (البقرہ آیت:۲۰۱)

غرض آیت اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى کی یہ تفسیر ہے اور اس میں خداتعالیٰ نے تینوں مرتبے انسانی معرفت کے بیان کر دیئے اور تیسرے مرتبہ کو محبت ذاتی کا مرتبہ قرار دیا۔ اور یہ وہ مرتبہ ہے جس میں تمام اغراض نفسانی جل جاتے ہیں اور دل ایسا محبت سے بھر جاتا ہے جیسا کہ ایک شیشہ عطر سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ اسی مرتبہ کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ۔ (البقرہ آیت ۲۰۸) یعنی بعض مومن لوگوں میں سے وہ بھی ہیں کہ اپنی جانیں رضائے الٰہی کے عوض میں بیچ دیتے ہیں۔ اور خدا ایسوں ہی پر مہربان ہے اور پھر فرمایا بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (البقرة:۱۱۳)

یعنی وہ لوگ نجات یافتہ ہیں جو خدا کو اپنا وجود حوالہ کر دیں اور اس کی نعمتوں کے تصور سے اس طور سے اسکی عبادت کریں کہ گویا اس کو دیکھ رہے ہیں سو ایسے لوگ خدا کے پاس سے اجر پاتے ہیں اور نہ ان کو کچھ خوف ہے اور نہ وے کچھ غم کرتے ہیں یعنی ان کا مدعا خدا اور خدا کی محبت ہو جاتی۔ اور خدا کے پاس کی نعمتیں ان کا اجر ہوتا ہے اور پھر ایک جگہ فرمایا

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ (الدھر آیت: ۸-۹)

یعنی مومن وہ ہیں جو خدا کی محبت سے مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو روٹی کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس روٹی کھلانے سے تم سے کوئی بدلہ اور شکر گذاری نہیں چاہتے نہ ہماری اور کچھ غرض ہے۔ ان تمام خدمات سے صرف خدا کا چہرہ ہمارا مطلب ہے۔

اب سوچنا چاہیئے کہ ان تمام آیات سے کس قدر صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف نے اعلیٰ طبقہ عبادت الٰہی اور اعمال صالحہ کا یہی رکھا ہے کہ محبت الٰہی اور رضائے الٰہی کی طلب سچے دل سے ظہور میں آوے۔"

(روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۴۳۶)

اللہ جل شانہٗ اپنے وجود سے آپ خبر دیتا ہے

یہ تو ہر ایک قوم کا دعویٰ ہے کہ بہتیرے ہم میں سے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں مگر ثبوت طلب یہ بات ہے کہ خدا تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے یا نہیں؟ اور خدا تعالیٰ کی محبت یہ ہے کہ پہلے تو اُن دلوں سے پردہ اٹھاوے۔ جس پردہ کی وجہ سے اچھی طرح انسان خدا تعالیٰ کے وجود پر یقین نہیں رکھتا۔ اور ایک دھندلی سی اور تاریک معرفت کے ساتھ اس کے وجود کا قائل ہوتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات امتحان کے وقت اس کے وجود سے ہی انکار کر بیٹھتا ہے۔ اور یہ پردہ اٹھایا جانا بجز مکالمۂ الٰہیہ کے اور کسی صورت میں میسر نہیں آسکتا۔ پس انسان حقیقی معرفت کے چشمہ میں

اس دن غوطہ مارتا ہے۔ جس دن خدا تعالیٰ اس کو مخاطب کر کے اَنَا الْمَوْجُوْد کی اس کو خود بشارت دیتا ہے۔ تب انسان کی معرفت صرف اپنے قیاسی ڈھکوسلہ یا محض منقولی خیالات تک محدود نہیں رہتی۔ بلکہ خدا تعالیٰ سے ایسا قرب ہو جاتا ہے کہ گویا اس کو دیکھتا ہے۔ اور یہ سچ اور بالکل سچ ہے کہ خدا تعالیٰ پر کامل ایمان اسی دن اس کو نصیب ہوتا ہے کہ جب اللہ جلّ شانہٗ اپنے وجود سے آپ خبر دیتا ہے۔ اور پھر دوسری علامت خدا تعالیٰ کی محبّت کی یہ ہے کہ اپنے پیارے بندوں کو صرف اپنے وجود کی خبر ہی نہیں بلکہ اپنی رحمت اور فضل کے آثار بھی خاص طور پر ان پر ظاہر کرتا ہے اور وہ اس طرح پر کہ ان کی دعائیں جو ظاہری امیدوں سے بڑھ کر ہوں قبول فرما کر اپنے الہام اور کلام کے ذریعہ سے ان کو اطلاع دیتا ہے۔ تب ان کے دل تسلّی پکڑ جاتے ہیں کہ یہ ہمارا قادر خُدا ہے جو ہماری دعائیں سنتا ہے اور ہم کو اطلاع دیتا اور مشکلات سے ہمیں نجات دیتا ہے۔"

(ملفوظات جلد اوّل صـــ ۳۹۲ ـ نیا ایڈیشن)

۱۱

خدا تعالیٰ تک پہنچنے کے آٹھ وسائل

انسان کو جو کچھ اندرونی اور بیرونی اعضاء دیئے گئے ہیں یا جو کچھ قوتیں عنایت ہوئی ہیں۔ اصل مقصود اُن سے خدا کی معرفت اور خدا کی پرستش اور خدا تعالیٰ کی محبّت ہے۔ اسی وجہ سے انسان دنیا میں ہزاروں شغلوں کو اختیار کر کے پھر بھی بجز خدا تعالیٰ کے اپنی سچی خوشحالی کسی میں نہیں پاتا۔ بڑا

ہوئے یا دل حزیں صبر و حوصلہ لوگ واپس آئیں۔ (فقہ احمدیہ)

حضرت عثمان بن عفانؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضورؐ جب میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو اس کی قبر پر کھڑے ہو کر فرماتے اپنے بھائی کے لئے بخشش مانگو اسکی ثابت قدمی کے لئے دعا مانگو کیونکہ اب اس سے سوال و جواب شروع ہونے والا ہے۔

(ابوداؤد)

۳۸۔ قبروں پر پڑھنے کی مسنون دعائیں

اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ اَھۡلَ الدِّیَارِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ وَ اِنَّآ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ بِکُمۡ لَاحِقُوۡنَ نَسۡأَلُ اللّٰہَ وَلَکُمُ الۡعَافِیَہ

سلامتی ہو تم پر اس دیار کے رہنے والے مومنو اور مسلمانو اور ہم بھی اللہ تعالیٰ چاہے تم سے ملنے والے ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت مانگتے ہیں۔

اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ یَا اَھۡلَ الۡقُبُوۡرِ یَغۡفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمۡ اَنۡتُمۡ سَلَفُنَا وَنَحۡنُ بِالۡاَثَرِ

ترجمہ: سلامتی ہو تم پر اے قبروں کے رہنے والو! ہمیں اور تمہیں اللہ تعالیٰ بخش دے تم آگے آگے چلو اور ہم تمہارے پیچھے پیچھے آتے ہیں۔

دعائیہ خزائن ادعیۃ الرسول ﷺ

۳۹۔ حضرت مسیح موعود کی تدفین کے متعلق

حضرت بھائی عبدالرحمٰن قادیانی کی روایت

لاہور سے جس تابوت پر حضور پُرنور کا جسدِ اطہر لایا گیا تھا بٹالہ پہنچ کر خالی کر دیا گیا اس طرح نعش مبارک بٹالہ سے قادیان چارپائی پر لائی گئی تھی لوگوں کو چہرہ مبارک دکھانے اور جنازہ پڑھنے کے وقت تک بلکہ اس کے بعد قبر لے جانے کے وقت بھی حضور پُرنور کا جسم مبارک چارپائی پر ہی تھا نہ کسی پہلے صندوق میں رکھا گیا نہ

کن وسائل سے انسان اس کو پاسکتا ہے۔ پس واضح ہو کر سب سے بڑا وسیلہ جو اس مدعا کے پانے کے لئے شرط ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو صحیح طور پر پہچانا جائے اور سچے خدا پر ایمان لایا جائے کیونکہ اگر پہلا قدم ہی غلط ہے اور کوئی شخص مثلاً پرند یا چرند یا عناصر یا انسان کے بچہ کو خدا بنا بیٹھا ہے تو پھر دوسرے قدموں میں اس کے راہ راست پر چلنے کی کیا امید ہے۔ سچا خدا اس کے ڈھونڈنے والوں کو مدد دیتا ہے۔ مگر مُردہ مُردہ کو کیونکر مدد دے سکتا ہے۔ اس میں اللہ جل شانہٗ نے خوب تمثیل فرمائی ہے اور وہ یہ ہے :۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ۔ (الرعد : ۱۵)

یعنی۔ دُعا کرنے کے لائق وہی سچا خدا ہے جو ہر ایک بات پر قادر ہے۔ اور جو لوگ اس کے سوا اوروں کو پکارتے ہیں وہ کچھ بھی اُن کو جواب نہیں دے سکتے۔ اُن کی مثال ایسی ہے کہ جب کوئی پانی کی طرف ہاتھ پھیلا دے کہ اے پانی میرے مُنہ میں آجا۔ تو کیا وہ اس کے مُنہ میں آجائے گا؟ ہرگز نہیں۔ سو جو لوگ سچے خدا سے بے خبر ہیں اُن کی تمام دعائیں باطل ہیں۔

دوسرا وسیلہ۔ خدائے تعالیٰ کے اُس حسن و جمال پر اطلاع پانا ہے جو باعتبار کمال تام کے اُس میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ حسن ایک ایسی چیز ہے جو بالطبع دل کی طرف کھنچا جاتا ہے اور اُس کے مشاہدہ سے طبعاً محبت پیدا ہوتی ہے تو حُسن باری تعالیٰ اُس کی وحدانیت اور اُس کی عظمت اور بزرگی اور صفات ہیں جیسا کہ

قرآن شریف نے فرمایا ہے۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ۔ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ[1]۔ یعنی خُدا اپنی ذات اور صفات اور جلال میں ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔ سب اس کے حاجت مند ہیں۔ ذرہ ذرہ اس سے زندگی پاتا ہے وہ کل چیزوں کے لئے مبداء فیض ہے اور آپ کسی سے فیضیاب نہیں۔ وہ نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کسی کا باپ۔ اور کیونکر ہو کہ اس کا کوئی ہم ذات نہیں۔ قرآن نے بار بار خدا کا کمال پیش کر کے اور اس کی عظمت دکھلا کے لوگوں کو توجہ دلائی ہے کہ دیکھو ایسا خدا دلوں کا مرغوب ہے نہ کہ مُردہ اور کمزور اور کم رحم اور قدرت۔

تیسرا وسیلہ جو مقصود حقیقی تک پہنچنے کے لئے دوسرے درجہ کا زینہ ہے خدا تعالیٰ کے احسان پر اطلاع پانا ہے۔ کیونکہ محبت کی محرک دو ہی چیزیں ہیں حُسن یا احسان۔ اور خدائے تعالیٰ کی احسانی صفات کا خلاصہ سورۃ فاتحہ میں پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ[2]۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ احسان کامل اس میں ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے بندوں کو محض نابود سے پیدا کرے اور پھر ہمیشہ اُس کی ربوبیت اُن کے شامل حال ہو اور وہی ہر ایک چیز کا آپ سہارا ہو۔ اس کی تمام قسم کی رحمتیں اس کے بندوں کے لئے ظہور میں آئی ہوں۔ اور اس کا احسان بے انتہا ہو جس کا کوئی شمار نہ کر سکے۔ سو ایسے احسانوں کو خدا تعالیٰ نے بار بار جتلایا ہے جیسا کہ ایک اور جگہ فرماتا ہے۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا[3]۔ یعنی اگر خدائے تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ہرگز گِن نہ سکو گے۔

---

[1]: الاخلاص؛ [2]: الحمد: ۱ [3]: ابراہیم: ۳۵

چوتھا وسیلہ خدائے تعالیٰ نے اصل مقصود کو پانے کے لئے دُعا کو ٹھہرایا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ یعنی تم دُعا کرو میں قبول کروں گا۔ اور بار بار دُعا کے لئے رغبت دلائی ہے تا انسان اپنی طاقت سے نہیں بلکہ خدا کی طاقت سے پاوے۔

پانچواں وسیلہ اصل مقصود کے پانے کے لئے خدا تعالیٰ نے مجاہدہ ٹھہرایا ہے۔ یعنی اپنا مال خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے۔ اور اپنی طاقتوں کو خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اور اپنی جانوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اور اپنی عقل کو خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اس کو ڈھونڈا جائے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے:۔

جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (التوبہ:۴۱)
وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ (البقرہ:۴) وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (العنکبوت: ۶۹)

یعنی اپنے مالوں اور اپنی جانوں اور اپنے نفسوں کو مع ان کی تمام طاقتوں کے خدا کی راہ میں خرچ کرو اور جو کچھ ہم نے عقل اور علم اور فہم اور ہنر وغیرہ تم کو دیا ہے وہ سب کچھ خدا کی راہ میں لگاؤ۔ جو لوگ ہماری راہ میں ہر ایک طور سے کوشش بجالاتے ہیں ہم ان کو اپنی راہیں دکھا دیا کرتے ہیں۔

چھٹا وسیلہ اصل مقصود پانے کے لئے۔ استقامت کو بیان فرمایا ہے۔ یعنی اس راہ میں درماندہ اور عاجز نہ ہو اور تھک نہ جائے اور امتحان سے ڈر نہ جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ

عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ
اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ
اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۔ (حٰم سجدۃ : ۳۱)

یعنی وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور باطل خداؤں سے الگ ہو گئے ۔ پھر استقامت اختیار کی یعنی طرح طرح کی آزمائشوں اور بلا کے وقت ثابت قدم رہے اُن پر فرشتے اُترتے ہیں کہ تم مت ڈرو اور مت غمگین ہو بلکہ خوش ہو اور خوشی میں بھر جاؤ کہ تم اس خوشی کے وارث ہو گئے جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے ۔ ہم اس دنیوی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے دوست ہیں ۔ اس جگہ ان کلمات سے یہ اشارہ فرمایا کہ اس استقامت سے خدا تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے ۔ یہ سچ بات ہے کہ استقامت فوق الکرامت ہے ۔ کمال استقامت یہ ہے کہ چاروں طرف بلاؤں کو محیط دیکھیں اور خدا کی راہ میں جان اور عزت اور آبرو کو معرضِ خطر میں پاویں اور کوئی تسلی دینے والی بات موجود نہ ہو یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے بھی امتحان کے طور پر تسلی دینے والے کشف یا خواب یا الہام کو بند کر دے اور ہولناک خوفوں میں چھوڑ دے اُس وقت نامردی نہ دکھلاویں ۔ اور بُزدلوں کی طرح پیچھے نہ ہٹیں اور وفاداری کی صفت میں کوئی خلل پیدا نہ کریں ۔ صدق اور ثبات میں کوئی رخنہ نہ ڈالیں ۔ ذلّت پر خوش ہو جائیں ۔ موت پر راضی ہو جائیں اور ثابت قدمی کے لئے کسی دوست کا انتظار نہ کریں کہ وہ سہارا دے ۔ نہ اس وقت خدا کی بشارتوں کے طالب ہوں کہ وقت نازک ہے اور باوجود سراسر بے کس اور کمزور ہونے کے اور کسی تسلی کے نہ پانے کے سیدھے کھڑے ہو جائیں اور ہر چہ بادا باد کہہ کر گردن کو آگے رکھ دیں ۔ اور قضاء و قدر کے آگے دم نہ ماریں اور ہرگز

بے قراری اور جزع فزع نہ دکھلاویں۔ جب تک کہ آزمائش کا حق پورا ہو جائے یہی استقامت ہے جس سے خدا ملتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی رسولوں اور نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کی خاک سے اب تک خوشبو آرہی ہے اسی کی طرف اللہ جلّ شانہٗ اس دُعا میں اشارہ فرماتا ہے :-

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ۔ (الفاتحہ : ۷)

یعنی اے ہمارے خدا ہمیں استقامت کی راہ دکھلا وہی راہ جس پر تیرا انعام واکرام مترتب ہوتا ہے۔ اور تو راضی ہو جاتا ہے۔ اور اسی کی طرف دوسری آیت میں ارشاد فرمایا :-

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ (الاعراف : ۱۲۷)

اے خدا تعالیٰ! اس مصیبت میں ہمارے دل پر وہ سکینت نازل کر جس سے صبر آجائے اور ایسا کر کہ ہماری موت اسلام پر ہو۔ جاننا چاہیئے کہ دکھوں اور مصیبتوں کے وقت میں خدا تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کے دل پر ایک نُور اتارتا ہے جس سے وہ قوت پا کر نہایت اطمینان سے مصیبت کا مقابلہ کرتے ہیں اور حلاوت ایمانی سے اُن زنجیروں کو بوسہ دیتے ہیں جو اس کی راہ میں اُن کے پَیروں میں پڑیں۔ جب با خدا آدمی پر بلائیں نازل ہوتی ہیں اور موت کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے ربّ کریم سے خواہ نخواہ کا جھگڑا شروع نہیں کرتا کہ مجھے ان بلاؤں سے بچا۔ کیونکہ اُس وقت عافیت کی دُعا میں اصرار کرنا خدا تعالیٰ سے لڑائی اور موافقتِ تامہ کے مخالف ہے۔ بلکہ سچا محبّ بلاء کے اُترنے سے اور آگے قدم رکھتا ہے۔ اور ایسے وقت میں جان کو ناچیز سمجھ کر اور جان کی محبت کو الوداع کہہ کر اپنے مولیٰ کی مرضی کا بکلّی تابع ہو جاتا ہے اور اس کی

رضا چاہتا ہے۔ اسی کے حق میں اللہ جلشانہ فرماتا ہے:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ۔ (البقرۃ: ۲۰۸)

یعنی خدا کا پیارا بندہ اپنی جان خدا کی راہ میں دیتا ہے اور اس کے عوض میں خدا تعالیٰ کی مرضی خرید لیتا ہے۔ وہی لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کی رحمت خاص کے مورد ہیں غرض وہ استقامت جس سے خدا ملتا ہے اُس کی یہی رُوح ہے جو بیان کی گئی ۔ جس کو سمجھنا ہو سمجھ لے ۔

ساتواں وسیلہ اصل مقصود کے پانے کے لئے راستبازوں کی صحبت اور اُن کے کامل نمونوں کو دیکھنا ہے ۔ پس جاننا چاہیئے کہ انبیاء کی ضرورتوں میں سے ایک یہ بھی ضرورت ہے کہ انسان طبعاً کامل نمونہ کا محتاج ہے اور کامل نمونہ شوق کو زیادہ کرتا ہے اور ہمّت کو بڑھاتا ہے۔ اور جو نمونے کا پیرو نہیں وہ سُست ہو جاتا ہے اور بہک جاتا ہے ۔ اسی کی طرف اللہ جل شانہٗ اس آیت میں اشارہ فرماتا ہے ۔

كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ[1] صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ[2]

یعنی تم ان لوگوں کی صحبت اختیار کرو جو راستباز ہیں ان لوگوں کی راہیں سیکھو جن پر تم سے پہلے فضل ہو چکا ہے ۔

آٹھواں وسیلہ خدا تعالیٰ کی طرف سے پاک کشف اور پاک الہام اور پاک خوابیں ہیں ۔ چونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سفر کرنا ایک نہایت دقیق در دقیق راہ ہے اور اس کے ساتھ طرح طرح کے مصائب اور دُکھ لگے ہوئے ہیں اور ممکن ہے کہ انسان اس نادیدہ راہ میں بھول جائے یا نا اُمیدی طاری ہو اور آگے قدم بڑھانا چھوڑ دے ۔ اس لئے خدا تعالیٰ کی رحمت نے چاہا کہ

---

[1]:۔ التوبہ: ۱۲۰ ؛ [2]: الفاتحہ: ۶ ؛

اپنی طرف سے اس سفر میں ساتھ ساتھ اس کو تسلّی دیتی رہے اور اس کی دلدہی کرتی رہے۔ اور اس کی کمر ہمت باندھتی رہے اور اس کے شوق کو زیادہ کرے سو اس کی سنّت اس راہ کے مسافروں کے ساتھ اس طرح پر واقع ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً اپنے کلام اور الہام سے اُن کو تسلّی دیتا اور اُن پر ظاہر کرتا ہے کہ مَیں تمہارے ساتھ ہوں۔ تب وہ قوت پاکر بڑے زور سے اس سفر کو طے کرتے ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں وہ فرماتا ہے:۔

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۔(یونس : ۶۴)

اسی طرح اور بھی کئی وسائل ہیں جو قرآن شریف نے بیان فرمائے ہیں مگر افسوس ہم اندیشہ طول کی وجہ سے اُن کو بیان نہیں کر سکتے۔

(روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۴۱۵ تا ۴۲۲)

۱۲

خدا تعالیٰ کی ہستی پر یقین نافرمانی سے بچاتا ہے

فرمایا کہ۔ آج کل خدا نمائی کی بڑی ضرورت ہے۔ دراصل اگر دیکھا جاوے تو خدا تعالیٰ کی ہستی سے انکار ہو رہا ہے۔ بہت لوگوں کو یہ خیال ہے کہ کیا ہم خدا تعالیٰ کی ہستی کے قائل نہیں ہیں وہ اپنے زعم میں تو سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو وہ مانتے ہیں لیکن ذرا غور سے ایک قدم رکھیں تو ان کو معلوم ہو کہ وہ درحقیقت قائل نہیں ہیں۔ کیوں کہ اور اشیاء کے وجود کے قائل ہونے سے جو حرکات اور افعال ان سے صادر ہوتے ہیں وہ خدا کے وجود کے قائل ہونے سے کیوں صادر نہیں ہوتے مثلاً جبکہ وہ سمّ الفار سے واقف ہے کہ اس کے کھانے سے آدمی مرجاتا ہے تو وہ

اس کے نزدیک نہیں جاتا اور نہیں کھاتا۔ کیوں کہ اسے یقین ہے کہ میں اگر کھاؤں گا تو مر جاؤں گا۔ پس اگر خدا تعالیٰ کی ہستی پر بھی یقین ہوتا تو وہ اسے مالک۔ خالق اور قادر جان کر نافرمانی کیوں کرتا؟ پس ظاہر ہے کہ بڑا ضروری مسئلہ ہستی باری تعالیٰ کا ہے۔ اور قابل قدر وہی مذہب ہوسکتا ہے جو کہ اسے نئے نئے لباس میں پیش کرتا رہے تا کہ دلوں پر اثر پڑ سکے۔ دراصل یہ مسئلہ اُم المسائل ہے اور اسلام اور غیر مذاہب میں ایک فرقان ہے۔

(ملفوظات جلد چہارم ص ۲۳۹)

۱۳

"دنیا لہو ولعب سے زیادہ نہیں معرفت الٰہی میں حقیقی لذت ہے"

" دنیا اور دنیا کو خوشیوں کی حقیقت لہو ولعب سے زیادہ نہیں۔ عارضی اور چند روزہ ہیں اور ان خوشیوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان خدا سے دُور جا پڑتا ہے۔ مگر خدا کی معرفت میں جو لذت ہے۔ وہ ایک ایسی چیز ہے کہ جو نا آنکھوں نے دیکھی نہ کانوں نے سُنی نہ کسی اور حس نے اس کو محسوس کیا ہے۔ وہ ایک بے خبر کر نکل جانے والی چیز ہے ہر آن ایک نئی راحت اس سے پیدا ہوتی ہے جو پہلے نہیں دیکھی ہوتی۔

خدا تعالیٰ کے ساتھ انسان کا ایک خاص تعلق ہے۔ اہل عرفان لوگوں نے بشریت اور ربوبیت کے جوڑ پر بہت لطیف بحثیں کی ہیں۔ اگر نیچے کا منہ پتھر سے لگائیں تو کیا کوئی دانش مند خیال کر سکتا ہے کہ اس

پتھر میں سے دودھ نکل آئے گا۔ اور بچہ سیر ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں اسی طرح پر جبتک انسان خدا تعالیٰ کے آستانہ پر نہیں گرتا۔ اُس کی رُوح ہمہ نیستی ہو کر ربوبیت سے تعلق پیدا نہیں کر سکتی اور نہیں کرتی۔ جب تک کہ وہ عدم یا مشابہ بالعدم نہ ہو کیونکہ ربوبیت اسی کو چاہتی ہے اس وقت تک وہ روحانی دودھ سے پرورش نہیں پا سکتا۔

لہو میں کھانے پینے کی تمام لذتیں شامل ہیں۔ان کا انجام دیکھو کہ بجز کثافت کے اور کیا ہے۔ زینت، سواری، عمدہ مکانات یا حکومت و خاندان پر فخر کرنا یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ بالآخر اس سے ایک قسم کی حقارت پیدا ہو جاتی ہے جو رنج دیتی اور طبیعت کو افسردہ اور بے چین کر دیتی ہے۔

لعب میں عورتوں کی محبت بھی شامل ہے۔ انسان عورت کے پاس جاتا ہے مگر تھوڑی دیر کے بعد وہ محبت اور لذت کثافت سے بدل جاتی ہے۔ لیکن اگر یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک حقیقی عشق ہونے کے بعد ہو۔ تو پھر راحت پر راحت اور لذت پر لذت ملتی ہے۔ یہاں تک کہ معرفت حقہ کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اور وہ ایک ابدی اور غیر فانی راحت میں داخل ہو جاتا ہے۔ جہاں پاکیزگی اور طہارت کے سوا کچھ نہیں۔

" وہ خدا میں لذت ہے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرو اور اُسے ہی یاد کرو حقیقی لذت وہی ہے "

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۱۲۷)

(۱۴)

خدائے عزّوجلّ کی خوبی اور حسن و جمال کی معرفت اسکی محبّت پیدا کرتی ہے

"انسان خدا تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے دو چیزوں کا محتاج ہے۔ اوّل بدی سے پرہیز کرنا۔ دوئم نیکی کے اعمال کو حاصل کرنا اور محض بدی کو چھوڑنا کوئی ہنر نہیں ہے۔ پس اصل بات یہ ہے کہ جب سے انسان پیدا ہوا ہے یہ دونوں قوتیں اس کی فطرت کے اندر موجود ہیں۔ ایک طرف تو جذبات نفسانی اس کو گناہ کی طرف مائل کرتے ہیں دوسری طرف محبّتِ الٰہی کی آگ جو اس کی فطرت کے اندر مخفی ہے وہ اس گناہ کے خس و خاشاک کو اس طرح پر جلا دیتی ہے جیسا کہ ظاہری آگ۔ ظاہری خس و خاشاک کو جلاتی ہے۔ مگر اس روحانی آگ کا افروختہ ہونا جو گناہوں کو جلاتی ہے معرفت الٰہی پر موقوف ہے کیونکہ ہر ایک چیز کی محبت اور عشق اس کی معرفت سے وابستہ ہے۔ جس چیز کے حسن اور خوبی کا تمہیں علم نہیں تم اس پر عاشق نہیں ہو سکتے۔ پس خدائے عزّوجلّ کی خوبی اور حُسن و جمال کی معرفت اس کی محبّت پیدا کرتی ہے اور محبّت کی آگ سے گناہ جلتے ہیں۔ مگر سنت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ وہ معرفت عام لوگوں کو نبیوں کی معرفت ملتی ہے۔ اور ان کی روشنی سے وہ روشنی حاصل کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو دیا گیا۔ وہ ان کی پیروی سے سب کچھ پا لیتے ہیں۔"

(روحانی خزائن جلد ۲۲ صـ ۶۲)

۱۵

انسان خدا تعالیٰ کے ساتھ معاملہ صاف کرے

"خدا تعالیٰ دیکھتا ہے کہ اس کے ساتھ معاملہ کیسا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ سے معاملہ صاف نہ ہو تو یہ چالاکیاں اور بھی خدا تعالیٰ کے غضب کو بھڑکاتی ہیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ انسان خدا کے ساتھ معاملہ صاف کرے اور پوری فرمانبرداری اور اخلاص کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرے۔ اور اس کے بندوں کو بھی کسی قسم کی اذیت نہ دے۔ ایک شخص گیروی کپڑے پہن کر یا سبز لباس پہن کرکے فقیر بن سکتا ہے۔ اور دنیادار اس کو فقیر بھی سمجھ لیتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ تو اس کو خوب جانتا ہے کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے اور وہ کیا کر رہا ہے۔" (ملفوظات جلد چہارم صہ۱۳)

۱۶

سچے دل سے توبہ پہلے گناہوں کو معاف کر دیتی ہے

"اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا مشک اور عطر کی طرح ہے جو کسی طرح سے چھپ نہیں سکتا۔ یہی تاثیریں ہیں سچی توبہ میں۔ جب انسان سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پہلے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے پھر اسے نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے۔ اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ خدا اس کے دوستوں کا دوست اور اس کے دشمنوں کا دشمن ہو جاتا ہے۔ اور وہ تقدیر جو شامت

اعمال سے اس کے لئے مقرر ہوئی ہے وہ دُور کی جاتی ہے ۔"

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۱۵۵)

۱۷

"اللہ تعالیٰ کا خوف مکروہات و منہیات سے بچا کر تقویٰ و طہارت عطا کرتا ہے"

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ[۱] ۔ اس کے عام معنی تو یہی ہیں ۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے قلوب اطمینان پاتے ہیں لیکن اس کی حقیقت اور فلاسفی یہ ہے کہ جب انسان سچے اخلاص اور پوری وفاداری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور ہر وقت اپنے آپ کو اس کے سامنے یقین کرتا ہے اس سے اس کے دل پر ایک خوف عظمتِ الٰہی کا پیدا ہوتا ہے وہ خوف اس کو مکروہات اور منہیات سے بچاتا ہے ۔ اور انسان تقویٰ اور طہارت میں ترقی کرتا ہے ۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ملائکہ اس پر نازل ہوتے ہیں اور وہ اس کو بشارتیں دیتے ہیں اور الہام کا دروازہ اس پر کھولا جاتا ہے ۔ اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کو گویا دیکھ لیتا ہے اور اس کی وراء الوراء طاقتوں کا مشاہدہ کرتا ہے ۔ پھر اس کے دل پر کوئی ہم و غم نہیں آسکتا اور طبیعت ہمیشہ ایک نشاط اور خوشی میں رہتی ہے ۔ اسی لئے دوسرے مقام پر آیا ہے ۔ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ[۲] ۔ اگر کوئی ہم و غم واقع بھی ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے الہام سے اس کیلئے خارجی اسباب ان کے دُور کرنے کے پیدا کر دیتا ہے یا خارق عادت صبر ان کو عطا کرتا ہے ۔"

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۱۲)

---

[۱] :۔ الرعد : ۲۹

[۲] :۔ یونس : ۶۳

(۱۸)

"خدا تعالیٰ کے ساتھ صحیح اور سچا تعلق کامل وفاداری سے پیدا ہوتا ہے"

"اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح اور سچّا تعلق اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان پُورا وفادار اور مخلص ہو۔ جو شخص وفادار نہیں اگر وہ ہر روز اس قدر روتا رہے کہ اس کے آنسوؤں کا ایک چھپڑ لگ جاوے تو بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی قدر نہیں ہے۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ تمہارا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ کامل وفاداری کا نمونہ ہو"

(ملفوظات جلد چہارم صا۳۱)

(۱۹)

اللہ تعالیٰ کی نسبت صحیح علم کیلئے صادق کی صحبت کی ضرورت ہے

قوتِ ذوق وشوق علم سے پیدا ہوتی ہے۔ جب تک علم اور معرفت نا ہو۔ کیا ہو سکتا ہے۔ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (سورۃ طٰہٰ: ۱۱۵) کی دُعا میں یہ بھی ایک سر ہے۔ کیونکہ جس قدر آپ کا علم وسیع ہوتا گیا اسی قدر آپ کی معرفت اور آپ کا ذوق وشوق ترقی کرتا گیا۔ پس اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت میں اسے ذوق وشوق پیدا ہو۔ تو اس کو اللہ تعالیٰ کی نسبت صحیح علم حاصل کرنا چاہیئے۔ اور یہ علم کبھی حاصل نہیں ہوتا جب تک انسان صادق کی صحبت میں نہ رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تازہ بتازہ تجلّیات کا ظہور مشاہدہ نا کرے"

(ملفوظات جلد چہارم صا۳۱)

"محبت کرنیوالے سے زیادہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے"

"مجرم وہ ہے جو اپنی زندگی میں خُدا تعالیٰ سے اپنا تعلق کاٹ لیوے۔ اس کو تو حکم تھا کہ وہ خدا تعالیٰ کے لئے ہوجاتا اور صادقوں کے ساتھ ہوجاتا مگر وہ ہوا و ہوس کا بندہ بن کر رہا اور شریروں اور دشمنانِ خدا و رسول سے موافقت کرتا رہا۔ گویا اس نے اپنے طرزِ عمل سے دکھا دیا کہ خدا تعالیٰ سے قطع تعلق کرلیا ہے۔ یہ ایک عادۃ اللہ ہے کہ انسان جدھر قدم اُٹھاتا ہے اس کی مخالف جانب سے وہ دُور ہوتا جاتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے الگ ہوکر ہوا و ہوسِ نفسانی کا بندہ ہوتا ہے تو خدا سے دُور ہوتا جاتا ہے۔ اور جوں جوں اِدہر تعلقات بڑھتے ہیں اُدھر کم ہوتے ہیں۔ یہ مشہور بات ہے۔ دل را بدل رہیست۔ پس اگر خدا تعالیٰ سے عملی طور پر بیزاری ظاہر کرتا ہے تو سمجھ لے کہ خدا تعالیٰ بھی اس سے بیزار ہے اور اگر خدا تعالےٰ سے محبت کرتا ہے اور پانی کی طرح اس کی طرف جھکتا ہے تو سمجھ لے کہ وہ مہربان ہے۔ محبت کرنے والے سے زیادہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے وہ وہ خدا ہے کہ اپنے محبوں پر برکات نازل کرتا ہے اور ان کو محسوس کرا دیتا ہے کہ خدا ان کے ساتھ ہے یہاں تک کہ ان کے کلام میں ان کے لبوں میں برکت رکھ دیتا ہے۔ اور لوگ ان کے کپڑوں اور انکی ہر بات سے برکت پاتے ہیں۔ امتِ محمدیہ میں اس کا بیّن ثبوت اس وقت تک موجود ہے کہ جو خدا کے لئے ہوتا ہے خدا اس کا ہو جاتا ہے۔"

خدا تعالیٰ اپنی طرف آنے والے کی سعی اور کوشش کو ضائع نہیں کرتا۔ یہ ممکن ہے کہ زمیندار اپنا کھیت ضائع کرلے۔ نوکر موقوف ہو کر نقصان پہنچائے امتحان دینے والا کامیاب نہ ہو مگر خدا کی طرف سعی کرنیوالا کبھی بھی ناکام نہیں رہتا۔ اس کا سچا وعدہ ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط (العنکبوت: ۷۰) خدا تعالیٰ کی راہوں کی تلاش میں جو جویا ہوا۔ وہ آخر منزل مقصود پر پہنچا۔ دنیوی امتحانوں کیلئے تیاریاں کرنیوالے راتوں کو دن بنا دینے والے طالب علموں کی محنت اور حالت کو ہم دیکھ کر رحم کھا سکتے ہیں تو کیا اللہ تعالیٰ جس کا رحم اور فضل بے حد اور بے انت ہے اپنی طرف آنے والے کو ضائع کر دے گا۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ه (سورۃ توبہ: ۱۲۰) اور پھر فرماتا ہے۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ه (سورہ الزلزال: ۸) ہم دیکھتے ہیں کہ ہر سال ہزارہا طالب علم سال ہا سال کی محنتوں اور مشقتوں پر پانی پھرتا ہوا دیکھ کر روتے رہ جاتے ہیں اور خودکشیاں کر لیتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کا فضل عمیم ایسا ہے کہ وہ ذرا سے عمل کو بھی ضائع نہیں کرتا۔ پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ انسان دنیا میں ظنی اور وہمی باتوں کی طرف تو اس قدر گرویدہ ہو کر محنت کرتا ہے کہ آرام اپنے اوپر گویا حرام کر لیتا ہے اور صرف خشک امید پر کہ شاید کامیاب ہو جاویں ہزارہا رنج اور دکھ اٹھاتا ہے۔ تاجر نفع کی امید پر لاکھوں روپے لگا دیتا ہے مگر یقین اسے بھی نہیں ہوتا کہ ضرور نفع ہی ہوگا۔ مگر خدا تعالیٰ کی طرف جانے والے کی (جس کے وعدے یقینی اور حتمی ہیں کہ جس کی طرف قدم اٹھانے والے کی ذرا بھی محنت

رائیگان نہیں جاتی) میں اس قدر دوڑ دھوپ اور سرگرمی نہیں پاتا ہوں یہ لوگ کیوں نہیں سمجھتے وہ کیوں نہیں ڈرتے کہ آخر ایک دن مرنا ہے۔ کیا وہ ان ناکامیوں کو دیکھ کر بھی اس تجارت کی فکر میں نہیں لگ سکتے جہاں خسارہ کا نام ونشان ہی نہیں اور نفع یقینی ہے۔ زمیندار کس قدر محنت سے کاشتکاری کرتا ہے۔ مگر کون کہہ سکتا ہے کہ نتیجہ ضرور راحت ہی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کیسا رحیم ہے اور یہ کیسا خزانہ ہے کہ کوڑی بھی جمع ہو سکتی ہے روپیہ اشرفی بھی۔ نہ چور چکار کا اندیشہ نہ یہ خطرہ کہ دیوالہ نکل جائے گا۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر کوئی ایک کانٹا راستہ سے ہٹا دے تو اس کا بھی ثواب اس کو دیا جاتا ہے۔ اگر پانی نکالتا ہوا اگر ایک ڈول اپنے بھائی کے گھڑے میں ڈال دے تو خدا تعالیٰ اس کا بھی اجر ضائع نہیں کرتا۔ پس یاد رکھو کہ وہ راہ جہاں انسان کبھی ناکام نہیں ہو سکتا وہ خدا کی راہ ہے۔ دنیا کی شاہراہ ایسی ہے جہاں قدم قدم پر ٹھوکریں اور ناکامیوں کی چٹانیں ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے سلطنتوں تک کو چھوڑ دیا آخر بے وقوف تو نہ تھے۔ جیسے ابراہیم ادھم۔ شاہ شجاع۔ شاہ عبدالعزیز جو مجدد بھی کہلاتے ہیں۔ حکومت سلطنت اور شوکت دنیا کو چھوڑ بیٹھے۔ اس کی یہی وجہ تو تھی کہ ہر قدم پر ایک ٹھوکر موجود ہے۔ خدا ایک موتی ہے اس کی معرفت کے بعد انسان دنیاوی اشیاء کو ایسی حقارت اور ذلت سے دیکھتا ہے کہ ان کے دیکھنے کے لئے بھی اُسے طبیعت پر ایک جبر اور اکراہ کرنا پڑتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ کی معرفت چاہو اور اس کی طرف ہی قدم اٹھاؤ کہ کامیابی اسی میں ہے۔" (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۹۰)

۲۱

"انسان خُداتعالیٰ کے تعبّدِ ابدی کیلئے پیدا کیا گیا ہے"۔

"انسان خداتعالیٰ کے تعبدِ ابدی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے وہ اس بات پر راضی نہیں ہو سکتا کہ وہ خدا جس کی شناخت میں اس کی نجات ہے۔ اسی کی شناخت کے بارے میں صرف چند بیہودہ قصّوں پر حصر رکھے اور وہ اندھا رہنا نہیں چاہتا بلکہ چاہتا ہے کہ خداتعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کے متعلق پورا علم پا وے گویا اس کو دیکھ لے۔ سو یہ خواہش اس کی محض اسلام کے ذریعے سے پوری ہو سکتی ہے"۔

(روحانی خزائن جلد ۲۲ صہ ۶۴)

۲۲

"خُداتعالیٰ جھکنے والوں کی طرف جھکتا ہے"۔

خداتعالیٰ کے ساتھ محبت کرنے والا اور اس کے عشق میں گمشدہ قوم نبیوں کی ان جھوٹے اور فانی عاشقوں کے عشق سے کہیں بڑھ کر اپنے اندر جوش رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ خدا وہ ہے جو جھکنے والوں کی طرف جھکتا ہے۔ یہاں تک کہ اس سے زیادہ توجہ کرتا ہے۔ خدا کی طرف آنے والا اگر معمولی چال سے چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف دوڑ کر آتا ہے۔ پس ایسے خدا کی طرف جس کی توجہ ہو جائے اور وہ اس کی محبت میں کھو جاوے وہ محبت

اور عشق الٰہی کی آگ ان امانی اور نفسانی خیالات کو جلا دیتی ہے پھر ان کے اندر روحِ ناطق ہو جاتی ہے۔ اور پاک نطق جو ادھر سے شروع ہوتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا نطق ہوتا ہے۔ دوسرے رنگ میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ دعا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو جواب دیتا ہے۔ پس یہ ایک کمال نبوت ہے۔ اور اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ میں رکھا گیا ہے۔ اس لئے جب انسان اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ (الفاتحہ: ۶-۷) کی دعا مانگے تو اس کے ساتھ ہی یہ امر پیشِ نظر رہے کہ اس کمالِ نبوت کو حاصل کرے۔"

(سورہ فاتحہ ص۲۴ و الحکم ۱۷ اپریل ۱۹۰۵ء ص۵)

۲۳

اللہ تعالیٰ سے تعلق کے لئے ایک محویت کی ضرورت ہے

" اللہ تعالیٰ سے تعلق کے لئے ایک محویت کی ضرورت ہے۔ ہم بار بار اپنی جماعت کو اس پر قائم ہونے کے لئے کہتے ہیں کیونکہ جب دنیا کی طرف سے انقطاع اور اس کی محبت دلوں سے ٹھنڈی ہو کر اللہ تعالیٰ کے لئے فطرتوں میں طبعی جوش اور محویت پیدا نہیں ہوتی۔ اس وقت تک ثبات میسر نہیں آ سکتا۔ بعض صوفیوں نے لکھا ہے کہ صحابہؓ جب نمازیں پڑھا کرتے تھے تو انہیں ایسی محویت ہوتی تھی کہ جب فارغ ہوتے تو ایک دوسرے کو پہچان بھی نہ سکتے تھے۔ جب انسان کسی اور جگہ سے آتا ہے تو شریعت نے حکم دیا ہے کہ وہ آکر السلام علیکم کہے۔ نماز سے فارغ ہوتے

السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ کے کہنے کی حقیقت یہی ہے کہ جب ایک انسان نے نماز کا عقد باندھا اور اللہ اکبر کہا۔ تو وہ گویا اس عالم سے نکل گیا اور ایک نئے جہان میں جا داخل ہوا۔ گویا ایک مقام محویت میں جا پہنچا۔ پھر جب وہاں سے واپس آیا تو السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر آن ملا۔ لیکن صرف ظاہری صورت کافی نہیں ہو سکتی۔ جب تک دل میں اس کا اثر نہ ہو چھلکوں سے کیا ہاتھ آسکتا ہے۔ محض صورت کا ہونا کافی نہیں حال ہونا چاہیئے۔ علت غائی حال ہی ہے مطلق قال اور صورت جس کے ساتھ حال نہیں ہوتا وہ تو الٹی ہلاکت کی راہیں ہیں۔ انسان جب حال پیدا کر لیتا ہے اور اپنے حقیقی خالق و مالک سے ایسی سچی محبت اور اخلاص پیدا کر لیتا ہے کہ بے اختیار اس کی طرف پرواز کرنے لگتا ہے اور ایک حقیقی محویت کا عالم اس پر طاری ہو جاتا ہے تو اس وقت اس کیفیت سے انسان گویا سلطان بن جاتا ہے اور ذرہ ذرہ اس کا خادم بن جاتا ہے۔"

(تفسیر سورۃ البقرہ ص۵ و البدر جلد ۳ ۳۲-۲۴ اگست ۱۹۰۴ء ص۳)

(۲۴)

"جو مومن ہیں وہ خدا سے بڑھ کر کسی سے دل نہیں لگاتے"

مکرم سندر داس کی وفات پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۵ رفروری ۱۸۸۸ء کو تعزیتی خط لکھ کر چوہدری رستم علی صاحب کو جو سندر داس صاحب سے بہت محبت کرتے تھے چند نصائح فرمائیں۔ مضمون خط حسب ذیل ہے:-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مکرمی اخویم منشی رستم علی صاحب سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

(حضور تعزیتی کلمات کے بعد فرماتے ہیں) :-

مجھے کبھی ایسا موقع چند مخلصانہ نصائح کا آپ کے لئے نہیں ملا جیسا آج ہے۔ جاننا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کی غیوری محبت ذاتیہ میں کسی مومن کی اس کے غیر سے شراکت نہیں چاہتی۔ ایمان جو ہمیں سب سے پیارا ہے وہ اسی بات سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ کہ ہم محبت میں دوسرے کو اس سے شریک نہ کریں۔ اللہ جل شانہٗ مومنین کی علامت یہ فرماتا ہے :-

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۔(البقرہ: ۱۶۶)

یعنی جو مومن ہیں۔ وہ خدا سے بڑھ کر کسی سے دل نہیں لگاتے۔ محبت ایک خاص حق اللہ جل شانہٗ کا ہے جو شخص اس کا حق دوسرے کو دے گا۔ وہ تباہ ہوگا۔ تمام برکتیں جو مردان خدا کو ملتی ہیں۔ تمام قبولیتیں جو ان کو حاصل ہوتی ہیں۔ کیا وہ معمولی وظائف سے یا معمولی نماز روزہ سے ملتی ہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ توحید فی المحبت سے ملتی ہیں۔ اسی کے ہوجاتے ہیں اسی کے ہو رہتے ہیں۔ اپنے ہاتھ سے دوسروں کو اس کی راہ میں قربان کرتے ہیں۔ میں خوب اس درد کی حقیقت کو پہنچتا ہوں کہ جو ایسے شخص کو ہوتا ہے کہ یکدفعہ وہ ایسے شخص سے جدا کیا جاتا ہے۔ جس کو وہ اپنے قالب کی گویا جان جانتا ہے۔ لیکن مجھے زیادہ غیرت اس بات میں ہے کہ کیا ہمارے حقیقی پیارے کے مقابل پر کوئی اور ہونا چاہیئے۔ ہمیشہ سے میرا دل یہ فتویٰ دیتا ہے کہ غیر سے مستقل محبت کرنا کہ

جس سے للّٰہی محبت باہر ہے۔ خواہ وہ بیٹا ہو یا دوست۔ کوئی ہو ایک قسم کا کفر اور کبیرہ گناہ ہے جس سے اگر شفقت و رحمتِ الٰہی تدارک نہ کرے تو سلب ایمان کا خطرہ ہے۔

آخر پر حضور نے دعائیہ کلمات کے ساتھ صبر کی تلقین کی اور فرمایا) چاہیئے کہ سجدہ میں اور دن رات کئی دفعہ یہ دعا پڑھیں:۔

یا احبّ من کلّ محبوب اغفرلی ذنوبی وَادخِلنِی فِی عبادک المخلصین۔ آمین

والسلام

خاکسار۔ غلام احمد

از قادیان۔ ۱۵ر فروری ۱۸۸۸ء "

(مکتوبات احمد صہ جلد پنجم نمبر سوم)

۲۵

انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع اپنی رضا کرے

سچا رجوع اس وقت ہوتا ہے۔ جبکہ خدا تعالیٰ کی رضا سے رضاءِ انسانی مل جاوے۔ یہ وہ حالت ہے جہاں انسان اولیاء اور ابدال اور مقربین کا درجہ پاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ سے مکالمہ کا شرف ملتا ہے اور وحی کی جاتی ہے اور چونکہ وہ ہر قسم کی تاریکی اور شیطانی شرارت سے محفوظ ہوتا ہے۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رضا میں زندہ ہوتا ہے اسی لئے وہ ایک ابدی بہشت اور سرور میں ہوتا ہے۔ انسانی ہستی کا مقصدِ

اعلیٰ اور غرض اسی مقام کا حاصل کرنا ہے اور یہی وہ مقصد ہے جو اسلام کے لفظ میں اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔ کیوں کہ اسلام سے سچی مراد یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع اپنی رضا کرے۔"

(تفسیر سورہ آل عمران از حضرت مسیح موعود صفحہ ۱۴)

(۲۶)

"خدا کی محبّت کے حصول کا طریق"

" اللہ تعالیٰ کی محبت کامل طور پر انسان اپنے اندر پیدا نہیں کر سکتا۔ جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور طرز عمل کو اپنا رہبر اور ہادی نہ بنالے۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کی بابت فرمایا ہے:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ [۱]

یعنی محبوب الٰہی بننے کے لئے ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی جاوے۔ سچی اتباع آپ کے اخلاق فاضلہ کا رنگ اپنے اندر پیدا کرتا ہوتا ہے۔" (تفسیر سورہ آل عمران از حضرت مسیح موعود صفحہ ۲۲)

(۲۷)

صراط مستقیم کا حصول

"ہر ایک مسلمان پر فرض کیا گیا ہے اور اس کی دعا ہر نماز میں بھی مقرر ہوئی ہے جو صراط مستقیم کو مانگتا رہے۔ کیونکہ یہ امر اس کو توحید پر قائم کرنیوالا

---

[۱] سورۃ آل عمران: ۳۲

ہے۔ کیونکہ صراطِ مستقیم پر ہونا خدا کی صفت ہے۔ علاوہ اس کے صراط مستقیم
کی حقیقت حق اور حکمت ہے۔ پس اگر وہ حق اور حکمت خدا کے بندوں کے
ساتھ بجالایا جائے تو اس کا نام نیکی ہے اور اگر خدا کے ساتھ بجالایا جائے تو اس کا
نام اخلاص اور احسان ہے اور اگر اپنے نفس کے ساتھ ہو تو اس کا نام تزکیۂ نفس ہے
اور صراط مستقیم ایسا لفظ ہے کہ جس میں حقیقی نیکی اور اخلاص باللہ اور تزکیۂ نفس تینوں شامل ہیں۔
اب اس جگہ یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ صراطِ مستقیم جو حق اور حکمت پر
مبنی ہے۔ تین قسم پر ہے۔ علمی اور عملی اور حالی اور پھر یہ تینوں تین قسم
پر ہیں۔ علمی میں حق اللہ اور حق العباد اور حق النفس کا شناخت کرنا
ہے۔ اور عملی میں ان حقوق کو بجالانا۔ مثلاً حق علمی یہ ہے کہ اس کو
ایک سمجھنا اور اس کو مبداء تمام فیوض کا اور جامع تمام خوبیوں کا مرجع
اور مآب ہر ایک چیز کا اور منزہ ہر ایک عیب اور نقصان سے جاننا
اور جامع تمام صفات کاملہ ہونا اور قابلِ عبودیت ہونا۔ اسی میں محصور
رکھنا۔ یہ تو حق اللہ میں علمی صراطِ مستقیم ہے۔ اور عملی صراطِ مستقیم یہ ہے
جو اس کی طاعت اخلاص سے بجالانا اور طاعت میں اس کا کوئی
شریک نہ کرنا اور اپنی بہبودی کے لئے اسی سے دعا مانگنا اور اسی پر
نظر رکھنا اور اسی کی محبت میں کھوئے جانا۔ یہ عملی صراط مستقیم ہے کیونکہ
یہی حق ہے۔

اور حق العباد میں علمی صراط مستقیم یہ جو ان کو اپنا بنی نوع خیال کرنا۔
اور ان کو بندگان خدا سمجھنا اور بالکل ہیچ اور ناچیز خیال کرنا کیوں کہ
معرفت حقہ مخلوق کی نسبت یہی ہے۔ جو ان کا وجود ہیچ اور ناچیز
ہے اور سب فانی ہیں یہ توحید علمی ہے۔ کیوں کہ اس سے عظمت ایک کی

ذات کی نکلتی ہے کہ جس میں کوئی نقصان نہیں اور اپنی ذات میں کامل ہے۔
اور عملی صراط مستقیم یہ ہے (کہ) حقیقی نیکی بجالانا یعنی وہ امر جو حقیقت میں ان کے حق میں اصلح اور راست ہے بجالانا یہ توحید عملی ہے کیوں کہ موحد کی اس میں یہ غرض ہوتی ہے کہ اس کے اخلاق سراسر خدا کے اخلاق میں فانی ہوں اور حق النفس میں علمی صراط مستقیم یہ ہے کہ جو جو نفس میں آفات پیدا ہوتے ہیں جیسے عجب اور ریا اور تکبر اور حقد اور حسد اور غرور اور حرص اور بخل اور غفلت اور ظلم ان سب سے مطلع ہونا اور جیسے وہ حقیقت میں اخلاق رذیلہ ہیں ویسا ہی ان کو اخلاق رذیلہ جاننا یہ علمی صراطِ مستقیم ہے اور یہ توحید علمی ہے کیوں کہ اس سے عظمت ایک ہی ذات کی نکلتی ہے۔ کہ جس میں کوئی عیب نہیں اور اپنی ذات میں قدوس ہے اور حق النفس میں عملی صراطِ مستقیم یہ ہے جو نفس سے ان اخلاق رذیلہ کا قلع قمع کرنا اور صفت تخلی عن رذائل اور تحلی بالفضائل سے متصف ہونا یہ عملی صراط مستقیم ہے یہ توحید حالی ہے۔ کیونکہ موحد کی اس سے یہ غرض ہوتی ہے کہ تا اپنے دل کو غیر اللہ کے دخل سے خالی کرے اور تا اس کو فنا فی تقدس اللہ کا درجہ حاصل ہو اور اس میں اور حق العباد میں جو عملی صراطِ مستقیم ہے ایک باریک فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ جو عملی صراطِ مستقیم حق النفس کا وہ صرف ایک ملکہ ہے جو بذریعہ ورزش کے انسان حاصل کرتا ہے اور ایک بالمعنی شرف ہے۔ خواہ خارج میں کبھی ظہور میں آوے یا نہ آوے۔ لیکن حق العباد جو عملی صراط مستقیم ہے وہ ایک خدمت ہے اور تبھی متحقق ہوتی ہے کہ جو افراد کثیرہ بنی آدم کو خارج میں اس کا اثر پہنچے اور شرط خدمت

کی ادا ہو جائے۔ غرض تحقق عملی صراطِ مستقیم حق العباد کا ادائے خدمت
میں ہے اور علمی صراطِ مستقیم حق النفس کا صرف تزکیۂ نفس پر مدار ہے
کسی خدمت کا ادا ہونا ضروری نہیں یہ تزکیۂ نفس ایک جنگل میں اکیلے
رہ کر بھی ادا ہو سکتا ہے۔ لیکن حق العباد بجز بنی آدم کے ادا نہیں ہو سکتا
اس لئے فرمایا گیا۔ کہ رہبانیت اسلام میں نہیں۔

اب جاننا چاہیئے جو صراط مستقیم علمی اور عملی سے غرض اصلی توحید
علمی اور توحید عملی ہے۔ یعنی وہ توحید جو بذریعہ علم کے حاصل ہو اور وہ
توحید جو بذریعہ عمل کے حاصل ہو۔ پس یاد رکھنا چاہیئے جو قرآن شریف میں
بجز توحید کے اور کوئی مقصود اصلی قرار نہیں دیا گیا اور باقی سب اس
کے وسائل ہیں"

(تفسیر سورہ فاتحہ صفحہ ۲۳۶ - ۲۳۷)

۲۸

انسان کی پیدائش کی اصل غرض - عبادتِ الٰہی

تمہارے پیدا کرنے سے خدا تعالیٰ کی غرض یہ ہے۔ کہ تم اس کی عبادت
کرو۔ اور اس کے لئے بن جاؤ۔ دنیا تمہاری مقصود بالذات نہ ہو۔ میں
اس لئے بار بار اس ایک امر کو بیان کرتا ہوں۔ کہ میرے نزدیک یہی ایک
بات ہے۔ جس کے لئے انسان آیا ہے اور یہی بات ہے جس سے وہ
دُور پڑا ہُوا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم دنیا کے کاروبار چھوڑ دو۔ بیوی بچوں
سے الگ ہو کر کسی جنگل یا پہاڑ میں جا بیٹھو۔ اسلام اس کو جائز نہیں

رکھتا - اور رہبانیت اسلام کا منشاء نہیں - اسلام تو انسان کو چست ہشیار اور مستعد بنانا چاہتا ہے - اس لئے میں تو کہتا ہوں - کہ تم اپنے کاروبار کو جد و جہد سے کرو - حدیث میں آیا ہے کہ جس کے پاس زمین ہو - اور وہ اس کا تردّد نہ کرے - تو اس سے مؤاخذہ ہوگا - پس اگر کوئی اس سے یہ مراد لے - کہ دنیا کے کاروبار سے الگ ہو جائے وہ غلطی کرتا ہے نہیں - اصل بات یہ ہے کہ یہ سب کاروبار جو تم کرتے ہو - اس میں دیکھ لو - کہ خدا تعالیٰ کی رضاء مقصود ہو - اور اس کے ارادہ سے باہر نکل کر اپنی اغراض و جذبات کو مقدم نہ کرو -

پس اگر انسان کی زندگی کا یہ مدعا ہو جائے کہ وہ صرف تنعّم کی زندگی بسر کرے اور اس کی ساری کامیابیوں کی انتہا خورد و نوش اور لباس و خواب ہی ہو - اور خدا تعالیٰ کے لئے کوئی خانہ اس کے دل میں باقی نہ رہے - تو یاد رکھو کہ ایسا شخص فطرۃ اللہ کا مقلّب ہے - اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ رفتہ رفتہ اپنے قویٰ کو بے کار کرلے گا - یہ صاف بات ہے کہ جس مطلب کے لئے کوئی چیز ہم لیتے ہیں اگر وہ وہی کام نہ دے تو اُسے بے کار قرار دیتے ہیں - مثلاً ایک لکڑی کرسی یا میز بنانے کے واسطے لیں اور اس کام کے ناقابل ثابت ہو - تو ہم اسے ایندھن ہی بنالیں گے - اسی طرح پر انسان کی پیدائش کی اصل غرض تو عبادتِ الٰہی ہے - لیکن اگر وہ اپنی فطرت کو خارجی اسباب اور بیرونی تعلقات سے تبدیل کر کے بیکار کرلیتا ہے - تو خدا تعالیٰ اس کی پرواہ نہیں کرتا - اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے :-

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ج (الفرقان : ۷۸)

مَیں نے ایک بار پہلے بھی بیان کیا تھا کہ مَیں نے ایک رؤیا میں دیکھا کہ :-

"ایک جنگل میں کھڑا ہوں. شرقاً غرباً اس میں ایک بڑی نالی چلی گئی ہے۔ اس نالی پر بھیڑیں لٹائی ہوئی ہیں اور ہر ایک قصاب کے جو ہر ایک بھیڑ پر مسلط ہے۔ ہاتھ میں چھری ہے۔ جو انہوں نے ان کی گردن پر رکھی ہوئی ہے۔ اور آسمان کی طرف منہ کیا ہوا ہے۔ میں ان کے پاس ٹہل رہا ہوں۔ مَیں نے یہ نظارہ دیکھ کر سمجھا کہ یہ آسمانی حکم کے منتظر ہیں تو مَیں نے یہی آیت پڑھی۔ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ.

یہ سنتے ہی ان قصابوں نے چھریاں چلا دیں اور یہ کہا کہ تم ہو کیا؟ آخر گوہ کھانے والی بھیڑیں ہی ہو۔"

غرض خدا تعالیٰ متقی کی زندگی کی پرواہ کرتا ہے اور اس کی بقاء کو عزیز رکھتا ہے اور جو اس کی مرضی کے برخلاف چلے وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا اور اس کو جہنم میں ڈالتا ہے۔ اس لئے ہر ایک کو لازم ہے۔ کہ اپنے نفس کو شیطان کی غلامی سے باہر کرے۔ جیسے کلوروفارم نیند لاتا ہے۔ اسی طرح پر شیطان انسان کو تباہ کرتا ہے اور اُسے غفلت کی نیند سلاتا ہے۔ اور اسی میں اس کو ہلاک کر دیتا ہے۔"

(ملفوظات جلد اوّل ص۱۱۸)

۲۹

"انسان کے وجود کی علّت غائی۔ اطاعتِ ابدی"

حضرت اقدسؑ صراطِ مستقیم میں پنہاں معنی بیان کرتے ہُوئے فرماتے ہیں کہ:۔

قرآن شریف میں اس کا نام استقامت رکھا ہے۔ جیسا کہ وہ یہ دُعا سکھلاتا ہے:۔

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ۔ (سورۃ فاتحہ)

یعنی ہمیں استقامت کی راہ پر قائم کر۔ ان لوگوں کی راہ جنہوں نے تجھ سے انعام پایا۔ اور جن پر آسمانی دروازے کھُلے۔ واضح رہے کہ ہر ایک چیز کی وضع استقامت اس کی علت غائی پر نظر کر کے سمجھی جاتی ہے۔ اور انسان کے وجود کی علّت غائی یہ ہے کہ نوع انسان خدا کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ پس انسانی وضع استقامت یہ ہے کہ جیسا کہ وہ اطاعت ابدیؔ کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ ایسا ہی درحقیقت خدا کے لئے ہو جائے۔ اور جب وہ اپنے تمام قویٰ سے خُدا کے لئے ہو جائے گا تو بلاشبہ اس پر انعام نازل ہوگا جس کو دوسرے لفظوں میں پاک زندگی کہہ سکتے ہیں۔ جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ جب آفتاب کی طرف کی کھڑکی کھولی جائے۔ تو آفتاب کی شعاعیں ضرور کھڑکی کے اندر آجاتی ہیں۔ ایسا ہی جبؔ انسان خدا تعالیٰ کی طرف بالکل سیدھا ہو جائے اور اس میں اور خدا تعالیٰ میں کچھ حجاب نہ رہے

تب فی الفور ایک نورانی شعلہ اس پہ نازل ہوتا ہے اور اس کو منور کر دیتا ہے اور اس کی تمام اندرونی غلاظت دھو دیتا ہے۔ تب وہ ایک نیا انسان ہو جاتا ہے اور ایک بھاری تبدیلی اس کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ تب کہا جاتا ہے کہ اس شخص کو پاک زندگی حاصل ہوئی۔ اس پاک زندگی کے پانے کا مقام یہی دنیا ہے۔ اسی کی طرف اللہ جل شانہٗ اس آیت میں اشارہ فرماتا ہے:۔

مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل:۷۳)

یعنی جو شخص اس جہان میں اندھا رہا ہے اور خدا کے دیکھنے کا اس کو نور نہ ملا وہ اس جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا۔"

(روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۳۴۴)

۳۰

"بہت نیک وہی ہے جو بہت دُعا کرتا ہے"

"بہترین دُعا فاتحہ ہے کیونکہ وہ جامع دُعا ہے۔ جب زمیندار کو زمینداری کا ڈھب آجاویگا۔ تو وہ زمینداری کے صراطِ مستقیم پہ پہنچ جاویگا اور کامیاب ہوجاوے گا۔ اسی طرح تم خدا کے ملنے کی صراطِ مستقیم تلاش کرو اور دُعا کرو یا الٰہی میں ایک تیرا گناہگار بندہ ہوں اور افتادہ ہوں۔ میری رہ نمائی کر۔ ادنیٰ اور اعلیٰ سب حاجتیں بغیر شرم کے خُدا سے مانگو کہ اصل معطی وہی ہے۔ بہت نیک وہی ہے جو بہت دُعا کرتا ہے کیونکہ اگر کسی بخیل کے دروازہ پر سوالی ہر روز جا کر سوال کرے گا تو آخر ایک دن اس کو بھی شرم آجاوے گی۔" (تفسیر سورۃ فاتحہ صفحہ ۲۸۔ الحکم ۱۷ نومبر ۱۹۰۱ء صفحہ ۷)

۳۱

اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی ساری طاقتوں اور قوتوں کو مادام الحیات (وقف کر دے)

"خدا تعالیٰ کے بندے کون ہیں؟ یہ وہی لوگ ہیں جو اپنی زندگی کو جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہی راہ میں وقف کر دیتے ہیں اور اپنی جان کو خدا کی راہ میں قربان کرنا اپنے مال کو اس کی راہ میں صرف کرنا اُس کا فضل اور اپنی سعادت سمجھتے ہیں مگر جو لوگ دنیا کی املاک و جائیداد کو اپنا مقصود بالذات بنا لیتے ہیں۔ وہ ایک خوابیدہ نظر سے دین کو دیکھتے ہیں۔ مگر حقیقی مومن اور صادق مسلمان کا یہ کام نہیں ہے سچا اسلام یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی ساری طاقتوں اور قوتوں کو مادام الحیات وقف کر دے تاکہ وہ حیاتِ طیبہ کا وارث ہو۔ چنانچہ خود خدا تعالیٰ اس وقف کی طرف ایماء کر کے فرماتا ہے:-

مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

(البقرہ: ۱۱۳)

اس جگہ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ کے معنی یہی ہیں کہ ایک نیستی اور تذلّل کا لباس پہن کر آستانۂ الوہیت پر گرے اور اپنی جان، مال، آبرو غرض جو کچھ اس کے پاس ہے۔ خدا ہی کے لئے وقف کرے اور دنیا اور اس کی ساری چیزیں دین کی خادم بنا دے۔" (ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۳۶۴)

۲۲

اسلام نام ہے خُدا تعالیٰ کے آگے گردن جھکا دینے کا

"مذہب یہی ہے کہ انسان خوب غور کرے۔ اور دیکھے اور عقل سے سوچے کہ وہ ہر آن میں خدا کا محتاج ہے اور اس کی طرف عجز سے انسان کی جان پر، مال پر، آبرو پر بڑے بڑے مصائب اور حملے ہوتے ہیں۔ لیکن سوائے خدا کے اور کوئی نجات دینے والا نہیں ہوتا اور ان موقعوں پر ہر ایک قسم کا فلسفہ خود بخود شکست کھا جاتا ہے۔ جن لوگوں نے ایسے اصولوں پر قائم ہونا چاہا ہے۔ کہ جن میں خدا کی حاجت کو تسلیم نہیں کرتے۔ حتّٰی کہ انشاء اللہ بھی زبان سے نکالنا۔ ان کے نزدیک معیوب ہے۔ مگر پھر بھی جب موت کا وقت آتا ہے۔ تو ان کو اپنے خیالات کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے بات یہ ہے کہ ہر آن میں اور اپنے ہر ایک ذرّہ کے قیام کے لئے انسان کو خدا کی حاجت اور ضرورت ہے اور اگر وہ اپنی انانیت سے نکل کر غور سے دیکھے۔ تو تجربہ سے اسے خود پتہ لگ جاتا ہے کہ وہ کس قدر غلطی پر تھا اپنے آپ کو ہر آن میں خدا کا محتاج جاننا اور اس کے آستانہ پر سر رکھنا یہی اسلام ہے۔ اور اگر کوئی مسلمان ہو کر اسلام کے طریق کو اختیار نہیں کرتا۔ اور اس پر قدم نہیں مارتا۔ تو پھر اس کا اسلام ہی کیا ہے؟ اسلام نام ہے خدا کے آگے گردن جھکا دینے کا"

(ملفوظات نیا ایڈیشن جلد سوم صفحہ ۲۸۱)

۳۳

اِنسان خُدا کی راہ میں اپنے اوپر موت اور حالتِ فنا وارد کرے

" اصل بات یہی ہے کہ انسان خدا کی راہ میں جب تک اپنے اوپر ایک موت اور حالتِ فنا وارد نہ کرے۔ تب تک ادھر سے کوئی پروا نہیں کی جاتی البتہ جب خدا دیکھتا ہے کہ انسان نے اپنی طرف سے کمال کوشش کی ہے۔ اور میرے پانے کے واسطے اپنے اوپر موت وارد کرلی ہے تو پھر وہ انسان پر خود ظاہر ہوتا ہے اور اس کو نوازتا اور قدرت نمائی سے بلند کرتا ہے۔ دیکھو قرآن شریف میں ہے

فضل اللہ المجاھدین علی القاعدین اجرًا عظیماہ

(العنکبوت: ۳)

قاعدین یعنی سست اور معمولی حیثیت کے لوگ اور خدا کی راہ میں کوشش اور سعی کرنیوالے ایک برابر نہیں ہوتے۔ یہ تجربہ کی بات ہے اور سالہائے دراز سے ایسا ہی دیکھنے میں آرہا ہے۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۵۰۷)

۳۴

انسان کی تمام طاقتیں اللہ تعالیٰ کے آستانے پر گری ہوں

" جب تک انسان پورے طور پر حنیف ہو کر اللہ تعالیٰ ہی سے سوال نہ

کرے اور اسی سے نہ مانگے ۔ پس سمجھو کہ حقیقی طور پر وہ سچا مسلمان اور سچا
مومن کہلانے کا مستحق نہیں ۔ اسلام کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اس کی تمام
طاقتیں اندرونی ہوں یا بیرونی سب کی سب اللہ تعالیٰ ہی کے آستانہ
پر گری ہوئی ہوں ۔ جس طرح پر ایک بڑا انجن بہت سی کلوں کو چلاتا ہے
پس اسی طور پر جب تک انسان اپنے ہر کام اور ہر حرکت و سکون کو
اسی انجن کی طاقت عظمیٰ کے ماتحت نہ کرلیوے ۔ وہ کیونکر اللہ تعالیٰ کی
الوہیت کا قائل ہو سکتا ہے ۔ اور اپنے آپ کو اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ
فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (انعام ۷۹) کہتے وقت واقعی حنیف کہہ
سکتا ہے ؟ جیسے منہ سے کہتا ہے ویسے ہی ادھر کی (طرف) متوجہ ہو
تو لاریب وہ مسلم ہے وہ مومن اور حنیف ہے لیکن وہ شخص جو اللہ تعالیٰ
کے سوا غیر اللہ سے سوال کرتا ہے اور ادھر بھی جھکتا ہے وہ یاد رکھے
کہ بڑا ہی بدقسمت اور محروم ہے کہ اس پر وہ وقت آجانے والا ہے
کہ وہ زبانی اور نمائشی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف نہ جھک سکے ۔"

(تفسیر سورۃ الانعام از حضرت مسیح موعود صفحہ ۱۰۸)

۳۵

وہ کھڑکیاں کھول دینی چاہئیں جو ظلمت کی باعث ہوئی تھیں

یہ بات نہایت صاف اور ظاہر ہے کہ چونکہ انسان خدا کیلئے پیدا کیا گیا ہے
اس لئے اس کا تمام آرام اور ساری خوشحالی صرف اسی میں ہے کہ وہ سارا
خدا کا ہی ہو جائے اور حقیقی راحت کبھی ظاہر نہیں ہو سکتی ۔ جب تک

انسان اس حقیقی رشتہ کو جو اس کو خدا سے ہے ممکن قوت سے حیّز فعل میں نہ لاوے۔ لیکن جب انسان خدا سے مُنہ پھیر لیوے۔ تو اس کی مثال ایسی ہو جاتی ہے جیسا کہ کوئی شخص ان کھڑکیوں کو بند کر دیوے جو آفتاب کی طرف تھیں اور کچھ شک نہیں کہ ان کے بند کرنے کے ساتھ ہی ساری کوٹھڑی میں اندھیرا پھیل جائے گا۔ اور وہ روشنی جو محض آفتاب سے ملتی ہے یک لخت دُور ہو کر ظلمت پیدا ہو جائے گی۔ اور وہی ظلمت ہے جو ذلالت اور جہنم سے تعبیر کی جاتی ہے۔ کیوں کہ دکھوں کی وہی جڑھ ہے اور اس ظلمت کا دُور ہونا اور اس جہنم سے نجات پانا اگر قانون قدرت کے طریق پر تلاش کی جائے تو کسی کے مصلوب کرنے کی حاجت نہیں۔ بلکہ وہی کھڑکیاں کھول دینی چاہئیں جو ظلمت کی باعث ہوئی تھیں۔ کیا کوئی یقین کر سکتا ہے کہ ہم درحالیکہ نور پانے کی کھڑکیوں کے بند رکھنے پر اصرار کریں۔ کسی روشنی کو پا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ سو گناہ کا معاف ہونا کوئی قصہ کہانی نہیں جس کا ظہور کسی آئندہ زندگی پر موقوف ہو اور یہ بھی نہیں کہ یہ امور محض بے حقیقت یا مجازی گورنمنٹوں کی نافرمانیوں اور قصور بخشی کے رنگ میں ہیں۔ بلکہ اس وقت انسان کو مجرم اور گنہگار کہا جاتا ہے۔ کہ جب وہ خدا سے اعراض کر کے اُس روشنی کے مقابلہ سے پرے ہٹ جاتا ہے اور اُس چمک سے اِدھر اُدھر ہو جاتا ہے جو خدا سے اترتی اور دلوں پر نازل ہوتی ہے۔

(روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۶۱)

۳۶

"خدا تعالیٰ کی محبّت میں محو ہو جانا عظیم الشّان مقصود ہے"

"یہ سچی بات ہے کہ گناہ سے بچنا اور خدا تعالیٰ کی محبت میں محو ہو جانا انسان کے لئے ایک عظیم الشان مقصود ہے اور یہی وہ راحت حقیقی ہے جس کو ہم بہشتی زندگی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ تمام خواہشیں جو خدا کی رضامندی کے مخالف ہیں دوزخ کی آگ ہیں۔ اور ان خواہشوں کی پیروی میں عمر بسر کرنا ایک جہنمی زندگی ہے۔

(روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۱۴۹ لیکچر لاہور)

۳۷

"خدا تعالیٰ نیک بندوں کو عزیز رکھتا ہے انکی عمر دراز کرتا ہے"

"خدا تعالیٰ کے فضل اور فیضان کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو کچھ کر کے دکھاؤ ورنہ نکمی شئے کی طرح تم پھینک دیئے جاؤ گے۔ کوئی آدمی اپنے گھر کی اچھی چیزوں اور سونے چاندی کو باہر نہیں پھینک دیتا۔ بلکہ ان اشیاء کو اور تمام کارآمد اور قیمتی چیزوں کو سنبھال سنبھال کر رکھتے ہو۔ لیکن اگر گھر میں کوئی چوہا مرا ہوا دکھائی دے تو اس کو سب سے پہلے باہر پھینک دو گے۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو ہمیشہ عزیز رکھتا ہے ان کی عمر دراز کرتا ہے اور ان کے کاروبار میں ایک برکت رکھ دیتا ہے

وہ ان کو ضائع نہیں کرتا اور بے عزتی کی موت نہیں مارتا۔ لیکن جو خدا تعالیٰ کی ہدایتوں کی بے حرمتی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو تباہ کر دیتا ہے۔ اگر چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ تمہاری قدر کرے تو اس کے واسطے ضروری ہے کہ تم نیک بن جاؤ تا خدا تعالیٰ کے نزدیک قابل قدر ٹھہرو۔ جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں اور اس کے حکموں کی پابندی کرتے ہیں وہ اُن میں اور اُن کے غیروں کے درمیان ایک فرقان رکھ دیتا ہے۔ یہی راز انسان کے برکت پانے کا ہے کہ وہ بدیوں سے بچتا رہے۔ ایسا شخص جہاں ہے وہ قابل قدر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے نیکی پہنچتی ہے وہ غریبوں سے سلوک کرتا ہے۔ ہمسایوں پر رحم کرتا ہے۔ شرارت نہیں کرتا۔ جھوٹے مقدمات نہیں بناتا۔ جھوٹی گواہیاں نہیں دیتا۔ بلکہ دل کو پاک کرتا ہے اور خدا کی طرف مشغول ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کا ولی کہلاتا ہے۔

(ملفوظات نیا ایڈیشن جلد سوم صفحہ ۶۱۲)

(۳۸)

اللہ تعالیٰ کی راہ میں زندگی وقف

انسان کو ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی زندگی کو وقف کرے۔ مَیں نے بعض اخبارات میں پڑھا ہے کہ فلاں آریہ نے اپنی زندگی آریہ سماج کے لئے وقف کر دی ہے۔ اور فلاں پادری نے اپنی عمر مشن کو دے دی ہے۔ مجھے حیرت آتی ہے کہ کیوں مسلمان اسلام کی خدمت

کے لئے اور خدا کی راہ میں اپنی زندگی کو وقف نہیں کر دیتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ پر نظر کر کے دیکھیں تو ان کو معلوم ہو کہ کس طرح اسلام کی زندگی کے لئے اپنی زندگیاں وقف کی جاتی تھیں۔ یاد رکھو یہ خسارہ کا سودا نہیں ہے بلکہ بے قیاس نفع کا سودا ہے۔ کاش مسلمانوں کو معلوم ہوتا اور اس تجارت کے مفاد اور منافع پر ان کو اطلاع ملتی جو خدا کے لئے اس کے دین کی خاطر اپنی زندگی وقف کرتا ہے۔ کیا وہ اپنی زندگی کھوتا ہے۔ ہرگز نہیں۔

فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (البقرہ : ۱۱۳)

اس للّٰہی وقف کا اجر ان کا رب دینے والا ہے۔ یہ وقف ہر قسم کے ہموم و غموم سے نجات اور رہائی بخشنے والا ہے......

مَیں خود جو اس راہ کا پورا تجربہ کار ہوں اور محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور فیض سے مَیں نے اس راحت اور لذت سے حظ اٹھایا ہے یہی آرزو رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں زندگی وقف کرنے کے لئے اگر مر کے پھر زندہ ہوں اور پھر مروں اور زندہ ہوں تو ہر بار میرا شوق ایک لذت کے ساتھ بڑھتا ہی جاوے

پس مَیں چونکہ خود تجربہ کار ہوں اور تجربہ کر چکا ہوں اور اس وقف کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ جوش عطا فرمایا ہے کہ اگر مجھے یہ بھی کہہ دیا جاوے کہ اس وقف میں کوئی ثواب اور فائدہ نہیں ہے بلکہ تکلیف اور دکھ ہوگا تب بھی میں اسلام کی خدمت سے رُک نہیں سکتا۔"

(تفسیر سورہ البقرہ از حضرت مسیح موعودؑ ص ۲۰۱)

۳۹

خالصتاً لِلّٰہ وقف

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۔ (البقرہ : ۱۱۳)

یعنی مسلمان وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے تمام وجود کو سونپ دیوے۔ یعنی اپنے وجود کو اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کے ارادوں کی پیروی کے لئے اور اس کی خوشنودی کے حاصل کرنے کے لئے وقف کر دیوے اور پھر نیک کاموں پر خدا تعالیٰ کے لئے قائم ہو جاوے اور اپنے وجود کی تمام عملی طاقتیں اس کی راہ میں لگا دیوے۔ مطلب یہ ہے کہ اعتقادی اور عملی طور پر محض خدا تعالیٰ کا ہو جاوے۔

"اعتقادی" طور پر اس طرح سے کہ اپنے تمام وجود کو درحقیقت ایک ایسی چیز سمجھ لے جو خدا تعالیٰ کی شناخت اور اس کی اطاعت اور اس کے عشق اور محبت اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے بنائی گئی ہے اور "عملی" طور پر اس طرح سے کہ خالصتاً لِلّٰہ حقیقی نیکیاں جو ہر ایک قوت سے متعلق اور ہر یک خداداد توفیق سے وابستہ ہیں بجالاوے۔ مگر ایسے ذوق و شوق وحضور سے کہ گویا وہ اپنی فرمانبرداری کے آئینہ میں اپنے معبود حقیقی کے چہرہ کو دیکھ رہا ہے"۔

(روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۵۸)

اس کی مرضی ماننے کے لئے اپنے نفس کی سب مرضیات چھوڑ دے

"خالق کی طاعت اس طرح سے کہ اس کی عزت اور جلال اور یگانگت ظاہر کرنے کے لئے بے عزتی اور ذلت قبول کرنے کے لئے مستعد ہو اور اس کی وحدانیت کا نام زندہ کرنے کے لئے ہزاروں موتوں کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو۔ اور اس کی فرمانبرداری میں ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کو بخوشئ خاطر کاٹ سکے اور اس کے احکام کی عظمت کا پیار اور اس کی رضاجوئی کی پیاس گناہ سے ایسی نفرت دلاوے کہ گویا وہ کھا جانے والی ایک آگ ہے یا ہلاک کرنے والی ایک زہر ہے۔ یا بھسم کر دینے والی ایک بجلی ہے جس سے اپنی تمام قوتوں کے ساتھ بھاگنا چاہیئے۔

غرض اس کی مرضی ماننے کے لئے اپنے نفس کی سب مرضیات چھوڑ دے اور اس کے پیوند کے لئے جانکاہ زخموں سے مجروح ہونا قبول کر لے اور اس کے تعلق کا ثبوت دینے کے لئے سب نفسانی تعلقات توڑ دے۔"

(روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۶۱)

(۴۱)

جو خُدا تعالیٰ سے سچّا اور کامل تعلق رکھتا ہو خُدا تعالیٰ اُس کی ساری مُرادیں پوری کر دیتا ہے

"برکات اور فیوض الہٰی کے حصول کے واسطے دل کی صفائی کی بھی بہت ضرورت پڑتی ہے۔ جب تک دل صاف نہ ہو کچھ نہیں چاہیئے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ دل پر نظر ڈالے تو اس کے کسی حصہ یا کسی گوشہ میں کوئی شعبہ نفاق کا نہ ہو۔ جب یہ حالت ہو تو پھر الہٰی نظر کے ساتھ تجلیات آتی ہیں اور معاملہ صاف ہو جاتا ہے اس کے لئے ایسا وفادار اور صادق ہونا چاہیئے۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنا صدق دکھایا یا جس طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمونہ دکھایا۔ جب انسان اس نمونہ پر قدم مارتا ہے تو وہ بابرکت آدمی ہو جاتا ہے پھر دنیا کی زندگی میں کوئی ذلت نہیں اٹھاتا اور نہ تنگیٔ رزق کی مشکلات میں مبتلا ہوتا ہے۔ بلکہ اس پر خدا تعالیٰ کے فضل واحسان کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ اور مستجاب الدعوات ہو جاتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ اس کو لعنتی زندگی سے ہلاک نہیں کرتا بلکہ اس کا خاتمہ بالخیر کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ جو خدا تعالیٰ سے سچا اور کامل تعلق رکھتا ہو تو خدا تعالیٰ اس کی ساری مرادیں پوری کر دیتا ہے۔ اسے نامراد نہیں رکھتا۔"

(تفسیر سورۃ یونس تا الکہف از حضرت مسیح موعود صفحہ ۲۵)

۴۱

خدا اور انسان کی دوستی کے حوالے سے افضالِ الٰہی (کے) حصُول کے لئے نصیحت

"دو دوستوں میں دوستی اس صورت میں نبھ سکتی ہے کہ کبھی وہ اس کی مان لے اور کبھی یہ اس کی۔ اگر ایک شخص سدا اپنی ہی منوانے کے درپئے ہو جائے تو معاملہ بگڑ جاتا ہے۔ یہی حال خداتعالیٰ اور بندہ کے رابطہ کا ہونا چاہیئے۔ کبھی اللہ تعالیٰ اس کی سُن لے اور اس پر فضل کے دروازے کھول دے اور کبھی بندہ اس کی قضا و قدر پر راضی ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ حق خداتعالیٰ کا ہی ہے کہ وہ بندوں کا امتحان لے اور یہ امتحان اس کی طرف سے انسان کے فوائد کے لئے ہوتے ہیں۔ اس کا قانونِ قدرت ایسا واقع ہُوا ہے کہ امتحان کے بعد جو اچھے نکلیں انہیں اپنے فضلوں کا وارث بناتا ہے۔" (ملفوظات نیا ایڈیشن جلد اوّل صفحہ ۲۱۶)

۴۲

اللہ تعالیٰ اپنے راست باز متقی کو رزق کی مار نہیں دیتا

"ہر قسم کی دعائیں طفیلی ہیں۔ اصل دعائیں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے واسطے کرنی چاہئیں۔ باقی دعائیں خود بخود قبول ہو جائیں گی۔ کیوں کہ گناہ کے دُور ہونے سے برکات آتی ہیں۔ یوں دُعا قبول نہیں ہوتی۔ جو

نری دُنیا ہی کے واسطے ہو۔ اس لئے پہلے خدا تعالیٰ کو راضی کرنے کے واسطے دعائیں کریں اور وہ سب سے بڑھ کر دُعا اھدنا الصراط المستقیم ہے۔ جب یہ دُعا کرتا رہے گا۔ تو وہ منعم علیہم کی جماعت میں داخل ہوگا۔ جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے دریا میں غرق کر دیا ہے ان لوگوں کے زمرہ میں جو منقطعین ہیں۔ داخل ہو کر یہ وہ انعامات الٰہی حاصل کرے گا۔ جیسی عادت اللہ ان سے جاری ہے۔ یہ کبھی کسی نے نہیں سُنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک راست باز متقی کو رزق کی مار دے۔ بلکہ وہ تو سات پشت تک بھی رحم کرتا ہے۔ قرآن شریف میں خضر اور موسیٰ کا واقعہ درج ہے کہ انہوں نے ایک خزانہ نکالا۔ اس کی بابت کہا گیا کہ اَبُوْھُمَا صَالِحًا۔ اس آیت میں ان کے والدین کا ذکر تو ہے لیکن یہ ذکر نہیں کہ وہ لڑکے خود کیسے تھے باپ کے طفیل سے اس خزانہ کو محفوظ رکھا تھا اور اس لئے ان پر رحم کیا گیا۔ لڑکوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ ستاری سے کام لیا گیا"

(تفسیر سورۃ فاتحہ صفحہ ۲۸۶)۔ الحکم مارچ ۱۹۰۴ء

(۴۳)

جس کا خدا متولی ہو جائے وہ طمانیت اور لذت پاتا ہے

"اللہ تعالیٰ کی ذات میں بے نظیر صفات ہیں۔ جو لوگ اس کی راہ پر چلتے ہیں انہیں کو اسکی اطلاع ملتی ہے اور وہی اس سے مزہ پاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ سے رشتہ میں اس قدر شیرینی اور لذت ہوتی ہے کہ

کوئی پھل ایسا شیریں نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ سے جلدی کوئی شخص خبرگیراں نہیں ہوسکتا۔ پھر جس کا خدا متولی ہوجاتا ہے اس کو یہ فائدے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ طمانیت کی زندگی میں داخل ہوجاتا ہے اور وہ راحت پاتا ہے جو کسی دنیادار کو نصیب ہونا ناممکن ہے اور ایسی لذت پاتا ہے جو کہیں دوسری جگہ نصیب نہیں ہوسکتی۔"

(ملفوظات جلد چہارم ص۲۱۳)

(۴۴)

جن کا اللہ تعالیٰ متولی ہوجاتا ہے وہ دنیا کے آلام سے نجات پاجاتے ہیں

"جب تک انسان اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان نہیں رکھتا اور اس کے وعدوں پر سچا یقین نہیں کرتا اور ہر ایک مقصود کا دینے والا اسی کو نہیں سمجھتا اور کامل صلاح اور تقویٰ اختیار نہیں کرلیتا تو اس وقت تک وہ حقیقی راحت دستیاب نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ[1] یعنی جو صلاحیت اختیار کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کا متولی ہوجاتا ہے۔ انسان جو متولی رکھتا ہے اسکے بہت بوجھ کم ہوجاتے ہیں۔ بہت ساری ذمہ داریاں گھٹ جاتی ہیں۔ بچپن میں ماں بچے کی متولی ہوتی ہے تو بچے کو کوئی فکر اپنی ضروریات کا نہیں رہتا۔ وہ خود ہی اس کی ضروریات کی کفیل ہوتی ہے۔ اس کے کپڑوں اور کھانے پینے کے خود ہی فکر میں لگی رہتی ہے۔ اس کی صحت قائم رکھنے کا دھیان اسی کو رہتا ہے۔ اس کو نہلاتی اور دھلاتی ہے اور کھلاتی اور پلاتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض وقت اس کو مار کر کھانا کھلاتی ہے

---

[1] :۔ الاعراف : ۱۹۷

اور پانی پلاتی ہے۔ اور کپڑا پہناتی ہے۔ بچہ اپنی ضرورتوں کو نہیں سمجھتا بلکہ ماں ہی اس کی ضرورتوں کو خوب سمجھتی ۔ اور ان کو پورا کرنے کے خیال میں لگی رہتی ہے۔ اسی طرح جب ماں کی تولیت سے نکل آئے تو انسان کو بالطبع ایک متولی کی ضرورت پڑتی ہے۔ طرح طرح سے اپنے متولی اور لوگوں کو بناتا ہے جو خود کمزور ہوتے ہیں اور اپنی ضروریات میں غلطاں ایسے ہوتے ہیں کہ دوسرے کی خبر نہیں لے سکتے۔ لیکن جو لوگ ان سب سے منقطع ہو کر اس قسم کا تقویٰ اور اصلاح اختیار کرتے ہیں۔ ان کا وہ خود متولی ہو جاتا ہے۔ اور ان کی ضروریات اور حاجات کا خود ہی کفیل ہو جاتا ہے۔ انہیں کسی بناوٹ کی ضرورت ہی نہیں رہتی وہ اس کی ضروریات کو ایسے طور سے سمجھتا ہے کہ یہ خود بھی اس طرح نہیں سمجھ سکتا اور اس پر اس طرح فضل کرتا ہے کہ انسان خود حیران رہتا ہے۔ گر نہ ستانی بہ ستم سے رسد والی نوبت ہوتی ہے۔ لیکن انسان بہت سے زمانے پالیتا ہے۔ جب اس پر ایسا زمانہ آتا ہے۔ کہ خدا اس کا متولی ہو جائے یعنی اس کو خدا تعالیٰ کی تولیت حاصل کرنے سے پہلے کئی متولیوں کی تولیت سے گزرنا پڑتا ہے۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ مَلِكِ النَّاسِ ۙ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۙ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ [1] پہلے حاجت ماں باپ کی پڑتی ہے۔ پھر جب بڑا ہوتا ہے تو بادشاہوں اور حاکموں کی حاجت پڑتی ہے۔ پھر جب اس سے آگے قدم بڑھاتا ہے۔ اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہے۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ جن کو میں نے متولی سمجھا ہوا تھا وہ خود ایسے کمزور تھے کہ ان کو متولی سمجھنا میری غلطی تھی۔ کیوں کہ انہیں متولی بنانے میں نہ تو

---

[1] :۔ الناس ۔

میری ضروریات ہی حاصل ہو سکتی تھیں اور نہ ہی وہ میرے لئے کافی ہو سکتے تھے ۔ پھر وہ خدا کی طرف رجوع کرتا ہے اور ثابت قدمی دکھانے سے خدا کو اپنا متولی پاتا ہے۔ اس وقت اس کو بڑی راحت حاصل ہوتی ہے ۔ اور ایک عجیب طمانیت کی زندگی میں داخل ہو جاتا ہے۔ خصوصاً جب خدا کسی کو خود کہے کہ میں تیرا متولی ہوا ۔ تو اس وقت جو راحت اور طمانیت اس کو حاصل ہوتی ہے وہ ایسی حالت پیدا کرتی ہے کہ جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا ۔ یہ حالت تمام تلخیوں سے پاک ہوتی ہے ۔ دنیاوی حالتوں میں انسان تلخی سے خالی نہیں ہو سکتا۔ دشت دنیا کانٹوں اور تلخیوں سے بھری ہوئی ہے ۔ ؎

دشت دنیا جز دد و جز دام نیست
جز بخلوت گاہ حق آرام نیست

جن کا اللہ تعالیٰ متولی ہو جاتا ہے۔ وہ دنیا کے آلام سے نجات پا جاتے ہیں اور ایک سچی راحت اور طمانیت کی زندگی میں داخل ہو جاتے ہیں"۔

(تفسیر سورہ مائدہ تا سورہ توبہ از حضرت مسیح موعودؑ صفحہ ۲۱۸-۲۱۹)

(۴۵)

اللہ تعالیٰ کے لئے وقف نہ کرنیوالے کی سزا

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۔

(سورہ الاعراف : ۱۸۰)

انسان اگر اللہ تعالیٰ کے لئے زندگی وقف نہیں کرتا۔ تو وہ یاد رکھے کہ

ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہنم کو پیدا کیا ہے۔ اس آیت سے یہ صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ جیسا کہ بعض عام خام خیال کوتاہ فہم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ کہ ہر ایک آدمی کو جہنم میں ضرور جانا ہوگا۔ یہ غلط ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ تھوڑے ہیں جو جہنم کی سزا سے بالکل محفوظ ہیں اور یہ تعجب کی بات نہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے :-

قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (سبا : ۱۴)

(تفسیر سورہ مائدہ تا سورہ توبہ صفحہ ۲۱۱)

(۴۶)

انسان کی دو خوبیاں ظلوماً جہولا

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ - اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۔[1]

یعنی ہم نے اپنی امانت کو جس سے مراد عشق اور محبتِ الٰہی اور موردِ ابتلاء ہو کر پوری اطاعت کرنا ہے۔ آسمان کے تمام فرشتوں اور زمین کی تمام مخلوقات اور پہاڑوں پر پیش کیا۔ جو بظاہر قوی ہیکل چیزیں تھیں سو اُن سب چیزوں نے اس امانت کے اُٹھانے سے انکار کر دیا اور اس کی عظمت کو دیکھ کر ڈر گئیں۔ مگر انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ کیونکہ انسان میں یہ دو خوبیاں تھیں۔ ایک یہ کہ وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے نفس پر ظلم کر سکتا تھا۔ دوسری یہ خوبی کہ وہ خدا تعالیٰ

---

[1] :- الاحزاب : ۷۳

کی محبت میں اس درجہ تک پہنچ سکتا تھا جو غیر اللہ کو بکلّی فراموش کر دے"۔
(روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۵)

(۴۷)

اللہ تعالیٰ کی محبّت سے الٰہی نُور کا احاطہ

مومن جب خدا سے محبت کرتا ہے تو الٰہی نُور کا اس پر احاطہ ہو جاتا ہے اگرچہ وہ نُور اس کو اپنے اندر چھپا لیتا اور اس کی بشریت کو ایک حد تک بھسم کر جاتا ہے جیسے آگ میں پڑا ہوا لوہا ہو جاتا ہے۔ پھر بھی وہ عبودیت اور بشریت معدوم نہیں ہو جاتی۔ یہی وہ راز ہے جو قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ[1] کی تہ میں مرکوز ہے۔ بشریت تو ہوتی ہے۔ مگر وہ الوہیت کے رنگ کے نیچے ستواری ہو جاتی ہے اور اس کے تمام قویٰ اور اعضاء الٰہی راہوں میں خدا تعالیٰ کے ارادوں سے پُر ہو کر اسکی خواہشوں کی تصویر ہو جاتے ہیں اور یہی وہ امتیاز ہے جو اس کو کروڑہا مخلوق کی روحانی تربیت کا کفیل بنا دیتا ہے اور ربوبیت تامہ کا ایک مظہر قرار دیتا ہے اگر ایسا نہ ہو کبھی بھی ایک نبی اس قدر مخلوقات کے لئے ہادی اور راہبر نہ ہو سکے"۔
(تفسیر سورہ یونس تا الکہف از حضرت مسیح موعودؑ صفحہ ۳۳۳)

(۴۸)

خدا تعالیٰ کی طلب میں پوری کوشش نہ کرنیوالا بھی کافر ہے

"خدا تعالیٰ کی طلب میں جو شخص پوری کوشش نہیں کرتا وہ بھی کافر ہے

---

[1] :۔ الکہف : ۱۱۱ ؎

ہر ایک چیز کو جب اس کی حد مقررہ تک پہنچایا جاتا ہے۔ تب اس سے فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ جیسے اس زمین میں چالیس یا پچاس ہاتھ کھودنے سے کنواں تیار ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص صرف چار پانچ ہاتھ کھود کر چھوڑ دے اور کہدے کہ یہاں پانی نہیں ہے تو یہ اس کی غلطی ہے اصل بات یہ ہے کہ اس شخص نے حق محنت ادا نہیں کیا"!

(ملفوظات جلد چہارم صہ ۳۸۱)

(۴۹)

اللہ تعالیٰ نکتہ نواز ہے۔ نکتہ گیر بھی ہے۔ انکساری اور تواضع اختیار کرنی چاہیئے

ہمارا اس وقت اصل مدعا یہ ہے۔ کہ ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ کفر سچا ہی ثابت ہو جاوے۔ انسان اگر خدا تعالیٰ کے نزدیک بھی مورد قہر و عذاب الٰہی ہو تو پھر دشمن کی بات پکی ہی ہو جایا کرتی ہے۔ خالی شیخیوں سے اور بے جا تکبر اور بڑائی سے پرہیز کرنا چاہیئے اور انکساری اور تواضع اختیار کرنی چاہیئے۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ حقیقتاً سب سے بڑے اور مستحق بزرگی تھے۔ ان کے انکسار اور تواضع کا ایک نمونہ قرآن شریف میں موجود ہے۔ لکھا ہے کہ ایک اندھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر قرآن شریف پڑھا کرتا تھا۔ ایک دن آپ کے پاس عمائد مکہ اور رؤسائے شہر جمع تھے اور آپ ان سے گفتگو میں مشغول تھے۔ باتوں میں مصروفیت کی وجہ

سے کچھ دیر ہو جانے سے وہ نابینا اُٹھ کر چلا گیا۔ یہ ایک معمولی بات تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق سورۃ نازل فرمادی اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گھر میں گئے اور اسے ساتھ لاکر اپنی چادر مبارک بچھا کر بٹھایا۔

اصل بات یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں عظمت الٰہی ہوتی ہے ان کو لازماً خاکسار اور متواضع بننا ہی پڑتا ہے۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کی بے نیازی سے ہمیشہ ترساں دلرزاں رہتے ہیں۔

ع آنانکہ عارف تراند ترساں تر

کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نکتہ نواز ہے۔ اسی طرح نکتہ گیر بھی ہے۔ اگر کسی حرکت سے ناراض ہو جاوے۔ تو دم بھر میں سب کارخانہ ختم ہے پس چاہیئے کہ ان باتوں پر غور کرو اور ان کو یاد رکھو اور عمل کرو۔"

(ملفوظات جلد پنجم ص۶۱۱)

(۵۰)

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی سخت سزا ہے

"انسان کو جس قدر خدا تعالیٰ کے اقتدار اور سطوت کا علم ہوگا۔ اور جس قدر یقین ہوگا کہ اس کی نافرمانی کرنے کی سخت سزا ہے اسی قدر گناہ اور نافرمانی اور حکم عدولی سے اجتناب کرے گا۔ دیکھو بعض لوگ موت سے پہلے ہی مر رہے ہیں۔ یہ اخیار، ابدال اور اقطاب کیا ہوتے ہیں؟ اور ان میں کیا چیز زائد آجاتی ہے؟ وہ یہی یقین ہوتا ہے یقینی

اور قطعی علم ضرورتاً اور فطرتاً انسان کو ایک امر کے واسطے مجبور کر دیتا ہے۔ خداتعالیٰ کی نسبت ظن کفایت نہیں کر سکتا۔ شبہ مفید نہیں ہو سکتا۔ اثر صرف یقین ہی میں رکھا گیا ہے۔ خداتعالیٰ کی صفات کا یقینی علم ایک ہیبت ناک بجلی سے بھی زیادہ اثر رکھتا ہے اسی کے اثر سے تو یہ لوگ سر ڈال دیتے اور گردن جھکا دیتے ہیں پس یاد رکھو کہ جس قدر کسی کا یقین بڑھا ہوا ہوگا۔ اسی قدر وہ گناہ سے اجتناب کرتا ہوگا"

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۵۹۴)

(۵۱)

عملی طور پر اس حد تک پہنچنا چاہیئے

کہ

تائید و نصرت الٰہی شامل حال ہونے لگے

اسلام صرف اتنی بات کا ہی نام نہیں ہے کہ انسان زبانی طور پر درود، وظائف اور ذکر اذکار کرتا رہے۔ بلکہ عملی طور پر اپنے آپ کو اس حد تک پہنچانا چاہیئے۔ کہ خداتعالیٰ کی طرف سے تائید اور نصرت شامل حال ہونے لگے اور انعام و اکرام وارد ہوں۔ جس قدر انبیاء اولیاء گزرے ہیں ان کی عملی حالتیں نہایت پاک صاف تھیں۔ اور ان کی راست بازی اور دیانت داری اعلیٰ پایہ کی تھی۔ اور یہی نہیں کہ جیسے یہ لوگ احکامِ الٰہی بجالاتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں۔

اور زکوٰتیں ادا کرتے ہیں اور نمازوں میں رکوع سجود کرتے اور سورۃ فاتحہ پڑھتے ہیں۔ وہ بھی پڑھتے تھے اور احکام الٰہی بجالاتے تھے بلکہ ان کی نظر میں تو سب کچھ مردہ معلوم ہوتا تھا اور ان کے وجودوں پر ایک قسم کی موت طاری ہو گئی تھی ان کی آنکھوں کے سامنے تو ایک خدا کا وجود ہی رہ گیا تھا۔ اسی کو وہ اپنا کارساز اور حقیقی رب یقین کرتے تھے۔ اس سے ان کا حقیقی تعلق تھا اور اسی کے عشق میں وہ ہر وقت محو اور گداز رہتے تھے۔"

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۳۸)

○

حقوق النفس

①

تزکیہ نفس سے کیا مراد ہے؟

"تزکیہ نفس سے مراد یہ ہے کہ نفس امارہ کی شہوات سے بُعد حاصل ہو جائے اور تجلی قلب سے مراد یہ ہے۔ کہ کشف کا دروازہ اس پر کُھلے۔ کہ خُدا کو دیکھ لے۔"

(ملفوظات جلد دوئم ص۵۶۱)

②

تزکیہ نفس کا کیا مفہوم ہے؟

حضرت اقدس مسیح موعود (آپ پر سلامتی ہو) فرماتے ہیں:۔

"اپنا مدعا اور مقصود یہ ہونا چاہئے۔ کہ خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق تزکیہ نفس حاصل ہو۔ اور اُس کی مرضی کے موافق تقویٰ حاصل ہو۔ اور کچھ ایسے اعمال حسنہ میسر آ جاویں کہ وہ راضی ہو جائے۔ پس جس وقت وہ راضی ہوگا۔ تب اس وقت ایسے شخص کو اپنے مکالمات سے مشرف کرنا۔ اگر اس کی حکمت اور مصلحت تقاضا کرے گی تو وہ خود عطا کر دے گا۔ اصل مقصود اس کو ہرگز نہیں ٹھہرانا چاہیئے کہ یہی ہلاکت کی جڑ ہے۔ بلکہ اصل مقصود یہی ہونا چاہیئے۔ کہ قرآن شریف کی تعلیم کے موافق احکام الٰہی پر پابندی نصیب ہو۔ اور

تزکیۂ نفس حاصل ہو۔ اور خدا تعالیٰ کی محبت اور عظمت دل میں بیٹھ جائے اور گناہ سے نفرت ہو۔ خدا تعالیٰ نے بھی یہی دُعا سکھائی ہے کہ:۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ (الفاتحہ: ۶)

پس اس جگہ خُدا نے یہ نہیں فرمایا کہ تم یہ دُعا کرو کہ ہمیں الہام ہو۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ تم یہ دُعا کرو کہ راہ راست ہمیں نصیب ہو۔ ان لوگوں کی راہ پر جو آخر کار خدا تعالیٰ کے انعام سے مشرف ہو گئے۔ بندہ کو اس سے کیا مطلب ہے کہ وہ الہام کا خواہشمند ہو اور نہ بندہ کی اس میں کچھ فضیلت ہے۔ بلکہ یہ تو خدا تعالیٰ کا فعل ہے۔ نہ بندہ کا عمل صالح تا اس پر اجر کی توقع ہو۔"

(تفسیر سورۃ فاتحہ از حضرت مسیح موعود ص۲۸۵)

۳

جہاں خدا تعالیٰ نے سب کے حقوق رکھے ہیں وہاں نفس کا بھی حق رکھا ہے

"خُدا کے قانون کو اس کے منشاء کے برخلاف ہرگز نہ برتنا چاہیئے اور نہ اس سے ایسا فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ جس سے وہ صرف نفسانی جذبات کی ایک سپر بن جاوے۔ یاد رکھو کہ ایسا کرنا معصیت ہے۔ خدا تعالیٰ بار بار فرماتا ہے کہ شہوات کا تم پر غلبہ نہ ہو۔ بلکہ تمہاری غرض ہر ایک امر میں تقویٰ ہو۔ اگر شریعت کو سپر بنا کر شہوات کی اتباع کے لئے

بیویاں کی جاویں گی تو سوائے اس کے اور کیا نتیجہ ہوگا کہ دوسری قومیں اعتراض کریں کہ مسلمانوں کو بیویاں کرنے کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں۔ زنا کا نام ہی گناہ نہیں۔ بلکہ شہوات کا کھلے طور پر دل میں پڑجانا گناہ ہے۔ دنیاوی تمتع کا حصہ انسانی زندگی میں بہت ہی کم ہونا چاہیئے۔ تاکہ

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلاً وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۔ (التوبہ : ۸۲)

یعنی ہنسو تھوڑا اور روؤ بہت کا مصداق بنو۔ لیکن جس شخص کی دنیاوی تمتع کثرت سے ہیں اور وہ رات دن بیویوں میں مصروف ہے اس کو رقت اور رونا کب نصیب ہوگا۔ اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ ایک خیال کی تائید اور اتباع میں تمام سامان کرتے ہیں اور اس طرح سے خدا تعالیٰ کے اصل منشاء سے دُور جا پڑتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اگرچہ بعض اشیاء جائز تو کر دی ہیں مگر اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ عمر ہی اُس میں بسر کی جاوے۔ خدا تعالیٰ تو اپنے بندوں کی صفت میں فرماتا ہے :۔

يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۔

کہ وہ اپنے رب کیلئے تمام تمام رات سجدہ اور قیام میں گذارتے ہیں۔ اب دیکھو رات دن بیویوں میں غرق رہنے والا خدا کے منشاء کے موافق رات کیسے عبادت میں کاٹ سکتا ہے۔ وہ بیویاں کیا کرتا ہے گویا خدا کیلئے شریک پیدا کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں تھیں اور باوجود ان کے پھر بھی ساری ساری رات خدا کی عبادت میں گزارتے تھے۔ ایک رات آپؐ کی باری عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی۔ کچھ حصہ رات کا گذر گیا۔ تو عائشہؓ کی آنکھ کھلی دیکھا کہ آپ موجود نہیں اُسے شبہ ہوا کہ شاید آپ کسی اور بیوی کے ہاں ہوں گے اس نے اُٹھ کر ہر گھر میں تلاش کیا مگر آپؐ نہ ملے۔ آخر دیکھا آپ قبرستان میں ہیں اور سجدہ میں رو رہے ہیں۔ اب دیکھو کہ آپ زندہ اور چاہتی بیوی کو چھوڑ کر

مُردوں کی جگہ قبرستان میں گئے اور روتے رہے۔ تو کیا آپ کی بیویاں حظّ نفس یا اتباعِ شہوت کی بنا پر ہو سکتی ہیں؟ غرض کر خوب یاد رکھو کہ خدا کا اصل منشاء یہ ہے کہ تم پر شہوات غالب نہ آویں اور تقویٰ کی تکمیل کے لیئے اگر ضرورتِ حقّہ پیش آوے تو اور بیوی کر لو۔ ... پس جاننا چاہیئے کہ جو شخص شہوات کی اتباع سے زیادہ بیویاں کرتا ہے وہ مغزِ اسلام سے دُور رہتا ہے۔ ہر ایک دن جو چڑھتا ہے۔ اور رات جو آتی ہے اگر وہ تلخی سے زندگی بسر نہیں کرتا اور روتا کم یا بالکل ہی نہیں روتا اور ہنستا زیادہ ہے۔ تو یاد رہے کہ وہ ہلاکت کا نشانہ ہے۔ استیفاء لذات اگر حلال طور پر ہو تو حرج نہیں جیسے ایک شخص ٹٹو پر سوار ہے اور راستے میں اسے نہاری وغیرہ اس لیئے دیتا ہے کہ اس کی طاقت قائم رہے۔ اور وہ منزلِ مقصود تک اسے پہنچا دے جہاں خداتعالیٰ نے سب کے حقوق رکھے ہیں وہاں نفس کا بھی حق رکھا ہے۔ کہ وہ عبادت بجا لا سکے۔

..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی میلان کس طرف تھا اور رات دن آپ کس فکر میں رہتے تھے۔ بہت سے مُلّا اور عام لوگ ان باریکیوں سے ناواقف ہیں۔ اگر ان کو کہا جائے کہ تم شہوات کے تابع ہو تو جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم حرام کرتے ہیں۔ شریعت نے ہمیں اجازت دی ہے تو ہم کرتے ہیں۔ ان کو اس بات کا علم نہیں۔ کہ بے محل استعمال سے حلال بھی حرام ہو جاتا ہے۔ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (الذاریات: ۵۷) سے ظاہر ہے کہ انسان صرف عبادت کے لیئے پیدا کیا گیا ہے۔ پس اس مقصد کو پُورا کرنے کے لیئے جس قدر چیز اسے درکار ہے اگر اس سے زیادہ لیتا ہے تو گو وہ شئے حلال ہی

ہو مگر فضول ہونے کی وجہ سے اس کے لئے حرام ہوجاتی ہے۔ جو انسان رات دن نفسانی لذات میں مصروف ہے وہ عبادت کا کیا حق ادا کر سکتا ہے۔ مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک تلخ زندگی بسر کرے۔ لیکن عیش و عشرت میں بسر کرنے سے تو وہ اس زندگی کا عشر عشیر بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ ہمارے کلام کا مقصد یہ ہے کہ دونوں پہلوؤں کا لحاظ رکھا جاوے۔ یہ نہیں کہ صرف لذات کے پہلو پر زور دیا جاوے اور تقویٰ کو بالکل ترک کر دیا جاوے۔ اسلام نے جن کاموں اور باتوں کو مباح کہا ہے اس سے یہ غرض ہرگز نہیں ہے کہ رات دن اسی میں مستغرق رہے۔ صرف یہ ہے کہ بقدر ضرورت وقت پر ان سے فائدہ اٹھایا جاوے۔"

(تفسیر سورۃ النساء از حضرت مسیح موعودؑ صفحہ ۲۱۶ تا صفحہ ۲۱۸)

۴

تہذیب نفس کے مدارج میں قرآن کریم کی رہنمائی

الیوم اکملت لکم میں فرمادیا۔ گویا یہ بات نبوت کی دوسری فصل ہے۔ اکمال سے یہی مطلب نہیں کہ سورتیں اتار دیں بلکہ تکمیل نفس اور تطہیر قلب کی۔ وحشیوں سے انسان پھر اس کے بعد عقلمند اور بااخلاق انسان اور پھر باخدا انسان بنا دیا۔ اور تطہیر نفس، تکمیل اور تہذیب نفس کے مدارج طے کرا دیئے اور اسی طرح پر کتاب اللہ کو بھی پورا اور کامل کر دیا

یہاں تک کہ کوئی سچائی اور صداقت نہیں جو قرآن شریف میں نہ ہو۔"
(ملفوظات جلد چہارم ص۶۷۲)

۵

انسان کو واجب ہے کہ اپنے نفس پر آپ شفقت نہ کرے

انسان کو واجب ہے کہ اپنے نفس پر آپ شفقت نہ کرے۔ بلکہ ایسا بنے کہ خداتعالےٰ اس کے نفس پر شفقت کرے۔ کیوں کہ انسان کی شفقت اس کے نفس پر اس کے واسطے جہنم ہے۔ اور خداتعالےٰ کی شفقت جنت ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے قصہ پر غور کرو کہ جو آگ میں گرنا چاہتے ہیں تو ان کو خداتعالےٰ آگ سے بچاتا ہے۔ اور جو خود آگ سے بچنا چاہتے ہیں وہ آگ میں ڈالے جاتے ہیں۔

اور یہ اسلام ہے۔ کہ جو کچھ خداتعالےٰ کی راہ میں پیش آئے اس سے انکار نہ کرے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عصمت کی فکر میں خود لگتے تو واللّٰہُ یعصمکَ من الناس کی آیت (المائدہ : ۶۸) نازل نہ ہوتی۔ حفاظتِ الٰہی کا یہی سِر ہے۔"
(ملفوظات جلد دوم ص۵۶۳)

۶

نفسِ امّارہ پر موت وارد کرنے سے نیکیاں سرزد ہوتی ہیں

انسان کے تین طبقے رکھے ہیں (۱) ظَالِمٌ لِنَفْسِہٖ (۲) مُقْتَصِدٌ۔

(۳) سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ۔

(ا) ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ تو وہ ہوتے ہیں جو نفس امارہ کے پنجے میں گرفتار ہوں اور ابتدائی درجہ پر ہوتے ہیں۔ جہاں تک ان سے ممکن ہوتا ہے وہ سعی کرتے ہیں کہ اس حالت سے نجات پائیں۔

(ب) مُقْتَصِدٌ وہ ہوتے ہیں جن کو میانہ رَو کہتے ہیں۔ ایک درجہ تک وہ نفس امارہ سے نجات پا جاتے ہیں لیکن پھر بھی کبھی کبھی اس کا حملہ ان پر ہوتا ہے۔ اور وہ اس حملہ کے ساتھ ہی نادم بھی ہوتے ہیں۔ پورے طور پر ابھی نجات نہیں پائی ہوتی۔

(ج) مگر سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ وہ ہوتے ہیں کہ ان سے نیکیاں ہی سرزد ہوتی ہیں اور وہ سب سے بڑھ جاتے ہیں۔ ان کی حرکات وسکنات طبعی طور پر اس قسم کی ہو جاتی ہیں کہ ان سے افعال حسنہ ہی کا صدور ہوتا ہے گویا ان کے نفس امارہ پر بالکل موت آ جاتی ہے۔ اور وہ مطمئنہ حالت میں ہوتے ہیں۔ ان سے اس طرح پر نیکیاں عمل میں آتی ہیں کہ گویا وہ ایک معمولی امر ہے۔ اس لئے ان کی نظر میں بعض اوقات وہ امر بھی گناہ ہوتا ہے جو اس حد تک دوسرے اس کو نیکی ہی سمجھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی معرفت اور بصیرت بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے جو صوفی کہتے ہیں۔ حسنات الابرار سیئات المقربین۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۲۴۴)

(۷)

نفس کے جذبات کو اللہ جلشانہٗ کی رضی کی غرض سے کم کر دینا ور گھٹا دینا

خدا تعالیٰ ظالموں اور معتدین کو جو طریق عدل اور انصاف چھوڑ دیتے ہیں دوست نہیں رکھتا۔ پھر وہ لوگ مورد فضل کیوں کر ٹھہر سکتے ہیں اور کیونکر ان کا نام مصطفےٰ اور برگزیدہ اور چُنا ہوا رکھا جا سکتا ہے۔ سوان یقینی اور قطعی دلائل سے ہمیں ماننا پڑا کہ اس جگہ ظالم کا لفظ کسی مذموم معنی کے لئے استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ ایک ایسے محمود اور قابل تعریف معنوں کے لئے استعمال ہوا ہے جو درجہ سابق بالخیرات سے حصّہ لینے کے مستحق اور اس درجہ فاصلہ کے چھوٹے بھائی ہیں اور وہ معنی بجز اس کے اور کوئی نہیں ہو سکتے کہ ظالم سے مراد اس قسم کے لوگ رکھے جائیں گے جو خدا تعالیٰ کے لئے اپنے نفسِ مخالف پر جبر و اکراہ کرتے ہیں۔ اور نفس کے جذبات کم کرنے کے لئے دن رات مجاہدات شاقہ میں مشغول ہیں۔ کیوں کہ یہ تو لغت کی رُو سے بھی ثابت ہے۔ کہ ظالم کا لفظ بغیر کسی اور لحاظ کے فقط کم کرنے کے لئے بھی آیا ہے۔ جیسا کہ اللہ جلشانہٗ قرآن کریم میں ایکدوسرے مقام میں فرماتا ہے۔ ولم تظلم منہ شیئًا ای ولم تنقص[1] اور خدا تعالیٰ کی راہ میں نفس کے جذبات کو کم کرنا بلاشبہ ان معنوں کی رُو سے ایک ظلم ہے ماسوا اس کے ہم ان کتب لغت کو جو صدہا برس قرآن کریم کے بعد اپنے زمانہ کے محاورات کے موافق طیار ہوئی ہے قرآن مجید کا حکم نہیں ٹھہرا سکتے۔ ...... اس جگہ ظلم سے مراد وہ ظلم

---

[1] :۔ الکھف : ۳۳

ہے جو خدا تعالیٰ کو پیارا معلوم ہوتا ہے ۔یعنی خدا تعالیٰ کے لئے اپنے نفس پر اکراہ اور جبر کرنا ۔نفس کے جذبات کو اللہ جلشانہٗ کے راضی کرنے کی غرض سے کم کر دینا اور گھٹا دینا"

(آئینہ کمالاتِ اسلام بحوالہ روحانی خزائن جلد ۵ صفحہ ۱۳۵ تا ۱۳۸)

٨

روحانی کمال تک پہنچنے کے مدارج

مومن کا نماز میں خشوع اختیار کرنا فوز مرام کے لئے پہلی حرکت ہے جس کے ساتھ تکبر اور عجب وغیرہ چھوڑنا پڑتا ہے ۔اور اس میں فوزِ مرام یہ ہے کہ انسان کا نفس خشوع کی سیرت اختیار کر کے خدا تعالیٰ سے تعلق پکڑنے کے لئے مستعد اور طیار ہو جاتا ہے ۔

دوسرا کام مومن کا یعنی وہ کام جس سے دوسرے مرتبہ تک قوتِ ایمانی پہنچتی ہے اور پہلے کی نسبت ایمان کچھ قوی ہو جاتا ہے عقل سلیم کے نزدیک یہ ہے کہ مومن اپنے دل کو جو خشوع کے مرتبہ تک پہنچ چکا ہے لغو خیالات اور لغو شغلوں سے پاک کرے ۔کیونکہ جب تک مومن یہ ادنیٰ قوت حاصل نہ کرلے کہ خدا کے لئے لغو باتوں اور لغو کاموں کو ترک کر سکے جو کچھ بھی مشکل نہیں اور صرف گناہ بے لذّت ہے ۔اس وقت تک یہ طمع خام ہے کہ مومن ایسے کاموں سے دست بردار ہو سکے جن سے دست بردار ہونا نفس پر بہت بھاری ہے اور جن کے ارتکاب میں نفس کو کوئی فائدہ یا لذّت ہے ۔پس اس سے ثابت ہے کہ پہلے درجہ کے بعد کہ ترکِ تکبّر

ہے ۔ دوسرا درجہ ترکِ لغویات ہے ۔ اور اس درجہ پر وعدہ جو لفظ اَفْلَحَ سے کیا گیا ہے یعنی فوز مرام اس طرح پر پورا ہوتا ہے کہ مومن کا تعلق جب لغو کاموں اور لغو شغلوں سے ٹوٹ جاتا ہے تو ایک خفیف سا تعلق خدا تعالیٰ سے اس کو ہو جاتا ہے ۔ اور قوتِ ایمانی بھی پہلے سے زیادہ بڑھ جاتی ہے اور خفیف تعلق اس لئے ہم نے کہا کہ لغویات سے تعلق بھی خفیف ہی ہوتا ہے ۔ پس خفیف تعلق چھوڑنے سے خفیف تعلق ہی ملتا ہے ۔

پھر تیسرا کام مومن کا ہے جس سے تیسرے درجے تک قوتِ ایمانی پہنچ جاتی ہے ۔ عقل سلیم کے نزدیک یہ ہے کہ وہ صرف لغو کاموں اور لغو باتوں کو ہی خدا تعالیٰ کے لئے نہیں چھوڑتا بلکہ اپنا عزیز مال بھی خدا تعالیٰ کے لئے چھوڑتا ہے ۔ اور ظاہر ہے کہ لغو کاموں کو چھوڑنے کی نسبت مال کا چھوڑنا نفس پر زیادہ بھاری ہے ۔ کیونکہ وہ محنت سے کمایا ہوا اور ایک کار آمد چیز ہوتی ہے جس پر خوش زندگی اور آرام کا مدار ہے ۔ اس لئے مال کا خدا کے لئے چھوڑنا بہ نسبت لغو کاموں کے چھوڑنے کے قوتِ ایمانی کو زیادہ چاہتا ہے اور لفظ اَفْلَحَ کا جو آیات میں وعدہ ہے اس کے اس جگہ یہ معنے ہوں گے کہ دوسرے درجہ کی نسبت اس مرتبہ میں قوتِ ایمانی اور تعلق بھی خدا تعالیٰ سے زیادہ ہو جاتی ہے ۔ اور نفس کی پاکیزگی اس سے پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ اپنے ہاتھ سے اپنا محنت سے کمایا ہوا مال محض خدا کے خوف سے نکالنا بجز نفس کی پاکیزگی کے ممکن نہیں ۔

پھر چوتھا کام مومن کا جس سے چوتھے درجے تک قوتِ ایمانی پہنچ جاتی ہے عقل سلیم کے نزدیک یہ ہے کہ وہ صرف مال کو خدا تعالیٰ کی راہ میں ترک نہیں کرتا بلکہ وہ چیز جس سے وہ مال سے بھی بڑھ کر پیار کرتا

ہے یعنی شہوات نفسانیہ ان کا وہ حصّہ جو حرام کے طور پر ہے چھوڑ دیتا ہے ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہر ایک انسان اپنی شہواتِ نفسانیہ کو طبعًا مال سے عزیز سمجھتا ہے اور مال کو ان کی راہ میں فدا کرتا ہے۔ پس بلا شبہ مال کے چھوڑنے سے خدا کے لئے شہوات کو چھوڑنا بہت بھاری ہے اور لفظ اَفْلَحَ اس آیت سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ اس کے اس جگہ یہ معنے ہیں کہ جیسے شہوات نفسانیہ سے انسان کو طبعًا شدید تعلق ہوتا ہے ایسا ہی ان کے چھوڑنے کے بعد وہی شدید تعلق خدا تعالیٰ سے ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جو شخص کوئی چیز خدا تعالیٰ کی راہ میں کھوتا ہے اس سے بہتر پا لیتا ہے ؎

لطف او ترک طالباں نہ کند ؏ کس بہ کار رہش زیاں نہ کند
ہر کہ آں راہ جست یافتہ است ؏ تافت آں رو کہ سر بتافتہ است

پھر پانچواں کام مومن کا جس سے پانچویں درجہ تک قوتِ ایمانی پہنچ جاتی ہے۔ عند العقل یہ ہے کہ صرف ترکِ شہوات نفس ہی نہ کرے بلکہ خدا کی راہ میں خود نفس کو ہی ترک کر دے اور اس کے فدا کرنے پر تیار رہے یعنی نفس جو خدا کی امانت ہے اسی مالک کو واپس دیدے اور نفس سے صرف اس قدر تعلق رکھے جیسا کہ ایک امانت سے تعلق ہوتا ہے۔ اور دقائق تقویٰ ایسے طور پر پورے کرے کہ گویا اپنے نفس اور مال اور تمام چیزوں کو خدا کی راہ میں وقف کر چکا ہے۔ اسی طرف یہ آیت اشارہ فرماتی ہے۔ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ[1]۔ پس جبکہ انسان کے جان و مال اور تمام قسم کے آرام خدا کی امانت ہے جس کو واپس دینا امین ہونے کے لئے شرط ہے۔ لہٰذا ترک نفس وغیرہ کے

---

[1] :۔ المومنون : ۹ ؎

یہی معنے ہیں کہ یہ امانت خداتعالیٰ کی راہ میں وقف کرکے اس طور سے یہ قربانی ادا کرے۔ اور دوسرے یہ کہ جو خداتعالیٰ کے ساتھ ایمان کے وقت اس کا عہد تھا اور جو عہد اور امانتیں مخلوق کی اس کی گردن پر ہیں ان سب کو ایسے طور سے تقویٰ کی رعایت سے بجالاوے کہ وہ بھی ایک بیجی قربانی ہوجاوے۔ کیونکہ دقائق تقویٰ کو انتہا تک پہنچانا یہ بھی ایک قسم کی موت ہے۔ اور لفظ اَفْلَحَ کا جو اس آیت سے بھی تعلق رکھتا ہے اس کے اس جگہ یہ معنے ہیں کہ جب اس درجہ کا مومن خداتعالیٰ کی راہ میں بذلِ نفس کرتا ہے اور تمام دقائق تقویٰ بجا لاتا ہے تب حضرت احدیت سے انوارِ الٰہیہ اس کے وجود پر محیط ہو کر روحانی خوبصورتی اس کو بخشتے ہیں۔ جیسے کہ گوشت ہڈیوں پر چڑھ کر اُن کو خوبصورت بنا دیتا ہے۔ اور جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں۔ ان دونوں حالتوں کا نام خداتعالیٰ نے لباس ہی رکھا ہے۔ تقویٰ کا نام بھی لباس ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لِبَاسُ التَّقْوٰی اور جو گوشت ہڈیوں پر چڑھتا ہے وہ بھی لباس ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَکَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا کیونکہ کسوت جس سے کَسَوْنَا کا لفظ نکلا ہے لباس کو ہی کہتے ہیں۔"

(روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۲۳۰۔۲۳۲ نیا ایڈیشن)

⑨

اگر تم میری پیروی کروگے تو اپنے اندر کے بتوں کو توڑ ڈالنے کے قابل ہو جاؤگے۔

قلب انسانی بھی حجرِ اسود کی طرح ہے اور اس کا سینہ بیت اللہ سے مشابہت رکھتا ہے۔ ماسوی اللہ کے خیالات وہ بُت ہیں جو اس کعبہ میں رکھے گئے ہیں مکہ معظمہ کے بتوں کا قلع قمع اس وقت ہوا تھا جبکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار قدوسیوں کی جماعت کے ساتھ وہاں جا پڑے تھے اور مکہ فتح ہو گیا تھا ....

پس ماسوی اللہ کے بتوں کی شکست اور استیصال کے لئے ضروری ہے کہ ان پر اسی طرح سے چڑھائی کی جائے .....غرض اس خانہ کو بتوں سے پاک وصاف کرنے کیلئے ایک جہاد کی ضرورت ہے۔ اور اس جہاد کی راہ میں تمہیں بتاتا ہوں اور یقین دلاتا ہوں۔ اگر تم اس پر عمل کروگے تو ان بتوں کو توڑ ڈالوگے۔ اور یہ راہ میں اپنی خود تراشیدہ نہیں بتاتا۔ بلکہ خدا نے مجھے مامور کیا کہ میں بتاؤں۔ اور وہ راہ کیا ہے۔ میری پیروی کرو اور میرے پیچھے چلے آؤ۔ یہ آواز نئی آواز نہیں ہے۔ مکہ کو بتوں سے پاک کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کہا تھا۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ [1]

اسی طرح پر اگر تم میری پیروی کروگے تو اپنے اندر کے بتوں کو توڑ ڈالنے کے قابل ہو جاؤگے۔ اور اسی طرح پر سینہ کو جو طرح طرح کے بتوں سے

---

[1] :۔ آل عمران : ۳۲

بھرا پڑا ہے۔ پاک کرنے کے لائق ہو جاؤ گے۔ تزکیہ نفس کے لئے چلّہ کشیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے چلّہ کشیاں نہیں کی تھیں۔ آرہ اور نفی اثبات وغیرہ کے نہیں کیئے تھے بلکہ ان کے پاس ایک اور ہی چیز تھی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں محو تھے۔ جو نُور آپ میں تھا۔ وہ اس اطاعت کی نالی میں سے ہو کر صحابہ رضؓ کے قلب پر گرتا اور ماسوٰی اللہ کے خیالات کو پاش پاش کرتا جاتا تھا۔ تاریکی کے بجائے ان سینوں میں نُور بھرا جاتا تھا۔ اس وقت بھی خوب یاد رکھو وہی حالت ہے جب تک کہ وہ نور جو خدا کی نالی میں سے آتا ہے۔ تمہارے قلب پر نہیں گرتا۔ تزکیہ نفس نہیں ہو سکتا۔ انسان کا سینہ مہبط الانوار ہے اور اسی وجہ سے وہ بیت اللہ کہلاتا ہے۔ بڑا کام یہی ہے کہ اس میں جو بُت ہیں وہ توڑے جائیں اور اللہ ہی اللہ رہ جائے۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۱۲۰)

۱۰

نفس پر نگاہ رکھ کر استغفار کرتے رہنا چاہیئے

حضرت اقدس سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۲۴ کی تفسیر میں نفس پر نگاہ رکھ کر استغفار کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (اعراف ۲۴)

جہت لوگ ہیں۔ کہ خدا پر شکوہ کرتے ہیں اور اپنے نفس کو نہیں دیکھتے

انسان کے اپنے نفس کے ہی ظلم ہوتے ہیں۔ ورنہ اللہ تعالےٰ رحیم وکریم ہے بعض آدمی ایسے ہیں۔ کہ ان کو گناہ کی خبر ہوتی ہے۔ اور بعض ایسے کہ ان کو گناہ کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے استغفار کا التزام کرایا ہے کہ انسان ہر ایک گناہ کے لئے خواہ وہ ظاہر کا ہو یا باطن کا۔ خواہ اسے علم ہو یا نہ ہو۔ اور ہاتھ اور پاؤں اور زبان اور ناک اور کان اور آنکھ اور سب قسم کے گناہوں سے استغفار کرتا رہے۔
آج کل آدم علیہ السلام کی دُعا پڑھنی چاہیئے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا ...... یہ دُعا اوّل ہی قبول ہو چکی ہے۔"
(تفسیر سورۃ مائدہ تا سورۃ توبہ از حضرت مسیح موعودؑ صفحہ ۵۱)

۱۱

نفس انسانی کی تین حالتیں

قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس انسانی کی تین حالتیں ہیں۔ ایک اَمّارہ دوسری لوّامہ تیسری مطمئنہ۔ نفس امارہ کی حالت میں انسان شیطان کے پنجہ میں گویا گرفتار ہوتا ہے اور اس کی طرف بہت جھکتا ہے۔ لیکن نفس لوامہ کی حالت میں وہ اپنی خطاکاریوں پر نادم ہوتا اور شرمسار ہو کر خدا کی طرف جھکتا ہے مگر اس حالت میں بھی ایک جنگ رہتی ہے۔ کبھی شیطان کی طرف جھکتا ہے اور کبھی رحمان کی طرف۔ مگر نفس مطمئنہ کی حالت میں وہ عباد الرحمٰن کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے اور یہ گویا ارتفاعی نقطہ ہے جس کے بالمقابل نیچے کی طرف امارہ ہے۔

اس میزان کے بیچ میں لوامہ ہے جو ترازو کی زبان کی طرح ہے۔ انخفاضی نقطہ کی طرف اگر زیادہ جھکتا ہے۔ تو حیوانات سے بھی بدتر اور ارذل ہو جاتا ہے۔ اور ارتفاعی نقطہ کی طرف جس قدر رجوع کرتا ہے اس قدر اللہ تعالیٰ کی طرف قریب ہوتا جاتا ہے۔ اور سفلی اور ارضی حالتوں سے نکل کر علوی اور سماوی فیضان سے حصّہ لیتا ہے۔"

(تفسیر سورہ یونس تا سورہ الکہف از حضرت مسیح موعودؑ ص۶۶)

۱۲

وہ درد جس سے خُدا راضی ہو اس لذت سے بہتر ہے جس سے خُدا ناراض ہو جائے

"اور چاہیئے کہ تم بھی ہمدردی اور اپنے نفسوں کو پاک کرنے سے رُوح القدس سے حصہ لو کہ بجز روح القدس کے حقیقی تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتی اور نفسانی جذبات کو بکلی چھوڑ کر خدا کی رضا کے لئے وہ راہ اختیار کرو جو اس سے زیادہ کوئی راہ تنگ نہ ہو۔ دنیا کی لذتوں پر فریفتہ مت ہو کہ وہ خدا سے جُدا کرتی ہیں۔ اور خدا کے لئے تلخی کی زندگی اختیار کرو وہ درد جس سے خدا راضی ہو اس لذت سے بہتر ہے جس سے خدا ناراض ہو جائے اور وہ شکست جس سے خدا راضی ہو۔ اس فتح سے بہتر ہے جو موجب غضب الٰہی ہو۔ اس محبت کو چھوڑ دو جو خدا کے غضب کو قریب کرے اگر تم صاف دل ہو کر اس کی طرف آجاؤ تو ہر ایک راہ میں وہ تمہاری مدد کرے گا۔ اور کوئی دشمن تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ خدا کی رضا کو

تم کسی طرح پا ہی نہیں سکتے۔ جب تک تم اپنی رضا چھوڑ کر اپنی لذات چھوڑ کر اپنی عزت چھوڑ کر اپنا مال چھوڑ کر اپنی جان چھوڑ کر اسکی راہ میں وہ تلخی نہ اٹھاؤ جو موت کا نظارہ تمہارے سامنے پیش کرتی ہے۔ لیکن اگر تم تلخی اٹھاؤ گے تو ایک پیارے بچے کی طرح خدا کی گود میں آجاؤ گے اور تم ان راستبازوں کے وارث کئے جاؤ گے۔ جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور ہر ایک نعمت کے دروازے تم پر کھولے جائیں گے۔ لیکن تھوڑے ہیں جو ایسے ہیں۔ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تقویٰ ایک ایسا درخت ہے جس کو دل میں لگانا چاہیئے۔ وہی پانی جس سے تقویٰ پرورش پاتی ہے تمام باغ کو سیراب کر دیتا ہے۔ تقویٰ ایک ایسی جڑ ہے کہ اگر وہ نہیں تو سب کچھ ہیچ ہے اور اگر وہ باقی رہے تو سب کچھ باقی ہے۔ انسان کو اس فضولی سے کیا فائدہ جو زبان سے خدا طلبی کا دعویٰ کرتا ہے لیکن قدم صدق نہیں رکھتا۔ دیکھو میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ آدمی ہلاک شدہ ہے جو دین کے ساتھ کچھ دنیا کی ملونی رکھتا ہے اور اس نفس سے جہنم بہت قریب ہے۔ جس کے تمام ارادے خدا کے لئے نہیں ہیں بلکہ کچھ خدا کے لئے اور کچھ دنیا کے لئے۔ پس اگر تم دنیا کی ایک ذرہ بھی ملونی اپنے اغراض میں رکھتے ہو تو تمہاری تمام عبادتیں عبث ہیں۔ اس صورت میں تم خدا کی پیروی نہیں کرتے۔ بلکہ شیطان کی پیروی کرتے ہو۔ تم ہرگز توقع نہ کرو کہ ایسی حالت میں خدا تمہاری مدد کرے گا۔ بلکہ تم اس حالت میں زمین کے کیڑے ہو اور تھوڑے ہی دنوں تک تم اس طرح ہلاک ہو جاؤ گے۔ جس طرح کیڑے ہلاک ہوتے ہیں اور تم میں خدا نہیں ہو گا۔ بلکہ تمہیں ہلاک کر کے خدا خوش ہو گا۔ لیکن اگر تم اپنے نفس

سے درحقیقت مر جاؤ گے۔ تب تم خدا میں ظاہر ہو جاؤ گے اور خدا تمہارے ساتھ ہوگا۔ اور وہ گھر بابرکت ہوگا جس میں تم رہتے ہو گے اور ان دیواروں پر خدا کی رحمت نازل ہوگی جو تمہارے گھر کی دیواریں ہیں اور وہ شہر بابرکت ہوگا جہاں ایسا آدمی رہتا ہوگا۔ اگر تمہاری زندگی اور تمہاری موت اور تمہاری ہر ایک حرکت اور تمہاری نرمی، تمہاری گرمی محض خدا کے لئے ہو جائے گی۔ اور ہر ایک تلخی اور مصیبت کے وقت تم خدا کا امتحان نہیں کرو گے اور تعلق کو نہیں توڑو گے۔ بلکہ آگے قدم بڑھاؤ گے تو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک خاص قوم ہو جاؤ گے تم بھی انسان ہو جیسا کہ میں انسان ہوں اور وہی میرا خدا تمہارا خدا ہے۔ پس اپنی پاک قوتوں کو ضائع مت کرو اور اگر تم پورے طور پر خدا کی طرف جھکو گے تو دیکھو میں خدا کے منشاء کے موافق تمہیں کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک قوم برگزیدہ ہو جاؤ گے خدا کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ اور اس کی توحید کا اقرار نہ صرف زبان سے بلکہ عملی طور پر کرو۔ تا خدا بھی عملی طور پر اپنا لطف و احسان تم پر ظاہر کرے کینہ وری سے پرہیز کرو اور بنی نوع سے سچی ہمدردی کے ساتھ پیش آؤ۔ ہر ایک راہ نیکی کی اختیار کرو نہ معلوم کس راہ سے تم قبول کئے جاؤ۔"

(روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۷ نیا ایڈیشن)

۱۲

حصول دنیا میں اصل غرض دین ہو

"... بلکہ اسلام نے رہبانیت کو منع فرمایا ہے۔ یہ بزدلوں کا کام ہے۔ مومن کے تعلقات دنیا کے ساتھ جس قدر وسیع ہوں۔ وہ اس کے

مراتب عالیہ کا موجب ہوتے ہیں۔ کیوں کہ اس کا نصب العین دین ہوتا ہے۔ اور دنیا (اور) اس کا مال وجاہ دین کا خادم ہوتا ہے۔ پس اصل بات یہ ہے کہ دنیا مقصود بالذات نہ ہو۔ بلکہ حصول دنیا میں اصل غرض دین ہو۔ اور ایسے طور پر دنیا کو حاصل کیا جاوے کہ وہ دین کی خادم ہو جیسے انسان کسی جگہ سے دوسری جگہ جانے کے واسطے سفر کی سواری اور زادراہ کو ساتھ لیتا ہے۔ تو اس کی اصل غرض منزل مقصود پر پہنچنا ہوتا ہے نہ خود سواری اور راستہ کی ضروریات۔ اسی طرح پر انسان دنیا کو حاصل کرے مگر دین کا خادم سمجھ کر۔"

(تفسیر سورۃ البقرہ از حضرت مسیح موعودؑ صفحہ ۲۰۱)

(۱۴)

رُوح کی رفاقت کے لئے جسم ناتواں کی ازسرِنو قوت کے لئے حظوظ نفسانیہ کی ضرورت

اندھیری رات سے بھی انسانِ کامل کو ایک مشابہت ہے کہ وہ باوجود غایت درجہ کے انقطاع اور تبتّل کے جو اس کو منجانب اللہ حاصل ہے۔ بہ حکمت و مصلحت الٰہی اپنی نفس کی ظلماتی خواہشوں کی طرف بھی کبھی کبھی متوجہ ہو جاتا ہے۔ یعنے جو جو نفس کے حقوق انسان پر رکھے گئے ہیں جو بظاہر نورانیت کے مخالف اور مزاحم معلوم ہوتے ہیں جیسے کھانا پینا، سونا اور بیوی کے حقوق ادا کرنا یا بچوں کی طرف التفات کرنا یہ سب حقوق بجالاتا ہے۔ اور کچھ تھوڑی دیر کے لئے اس تاریکی کو

اپنے لئے پسند کرلیتا ہے نہ اس وجہ سے کہ اس کو حقیقی طور پر تاریکی کی طرف میلان ہے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ خداوندِ علیم وحکیم اس کو اس طرف توجہ بخشتا ہے۔ تا روحانی تعب ومشقت سے کسی قدر آرام پاکر پھر ان مجاہداتِ شاقہ کے اُٹھانے کے لئے تیار ہو جائے۔ جیسا کہ کسی کا شعر ہے ؎

چشم شہباز کار روانان شکار
از پئے کشادن ست گردوختہ اند

سو اسی طرح یہ کامل لوگ جب غایت درجہ کی کوفت خاطر اور گدازش اور ہم وغم کے غلبہ کے وقت کسی قدر حظوظ نفسانیہ سے تمتع حاصل کر لیتے ہیں۔ تو پھر جسم ناتواں ان کا روح کی رفاقت کے لئے ازسرنو قوی اور توانا ہو جاتا ہے۔

(روحانی خزائن جلد ۳ ص۲۰۰۔ توضیح مرام)

۱۵

نفس کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اُسے پاک رکھا جائے

اصل امر یہ ہے کہ انسان کا نفس کچھ ایسا واقع ہے۔ کہ ایسے طریق کو زیادہ پسند کرلیتا ہے جس میں کوئی محنت اور مشقت نہیں مگر سچی پاکیزگی بہت سے دکھ اور مجاہدات کو چاہتی ہے اور وہ پاک زندگی حاصل نہیں ہوسکتی جب تک انسان موت کا پیالہ نہ پی لے۔"

(روحانی خزائن جلد ۲۱ ص۳۵)

۱۶

نفس کے نقصانات کا علاج توبہ، استغفار، لاحول اور خدا تعالیٰ کی کتاب کا مطالعہ

"انسان کی حالت ایسی واقع ہوئی ہے۔ کہ یہ کبھی نکما اور بیکار نہیں رہتا۔ اور نفس کلام سے بھی کبھی فارغ نہیں ہوتا ہے نفس اور شیطان سے ہی اس کا مکالمہ شروع رہتا ہے۔ اور اگر کوئی اور بات کرنے والا نہ ہو۔ بعض اوقات لوگ دیکھتے ہیں کہ ایک انسان بالکل خاموش ہے۔ لیکن درحقیقت وہ خاموش نہیں ہوتا۔ اس کا سلسلہ کلام اپنے نفس سے شروع ہوتا ہے اور بعض اوقات وہ بہت ہی لمبا ہوتا ہے۔ اور شیطانی رنگ میں اسے خود لمبا کرتا ہے اور بے شرمی سے اسے لمبا ہونے دیتا ہے یہ سلسلہ کلام کبھی خیالی فسق کے رنگ میں ہوتا ہے اور کبھی بے ہودہ اور جھوٹی تمناؤں کے رنگ میں اور اس سے وہ کبھی فارغ نہیں رہتا۔ جب تک کہ اس سفلی زندگی کو چھوڑ نہ دے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ اس قسم کے خطرات اور خیالات کا سلسلہ جسے انسان لمبا نہیں ہونے دیتا۔ اور ایک معمولی خیال کی طرح آکر دل سے محو ہو جاتا ہے وہ معاف ہیں۔ لیکن جب اس سلسلہ کو لمبا کرتا ہے اور اس پر عزیمت کرتا ہے تو وہ گناہ ہے۔ اور ان کی جواب دہی کرنی پڑے گی۔ جب انسان ان خیالات کو جو اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں دور کر دیتا ہے اور ان کو لمبا نہیں ہونے دیتا تو اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ معافی کے قابل ہیں لیکن جب

ان سلسلہ کی درازی میں ایک لذت پاتا ہے اور ان کو بڑھاتا چلا جاتا ہے تب وہ قابل مواخذہ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان میں عزیمت شامل ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی مَیں نے بیان کیا ہے۔ اس بات کو خوب یاد رکھو کہ کلام نفسی دو قسم کا ہوتا ہے۔ کبھی شیطانی جو خیالی فسق و فجور کے سلسلہ میں چلا جاتا ہے۔ اور آرزوؤں کے ایک لمبے سلسلہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جب تک انسان ان دونوں سلسلوں میں پھنسا ہوا ہے۔ اُسے شیطانی دخل کا بہت اندیشہ ہوتا ہے اور اس امر کا زیادہ امکان ہوتا ہے کہ وہ اس طرح سے نقصان اُٹھائے اور شیطان اُسے زخمی کر دے مثلاً کبھی کوئی منصوبہ باندھتا ہے کہ فلاں شخص میری فلاں غرض اور مقصد میں بڑا مخل ہے اُسے مار دیا جائے۔ یا فلاں شخص نے مجھے ٹوکر کے بلایا ہے اس کا بدلہ لیا جائے۔ اور اس کی ناک کاٹ دی جائے غرض اسی قسم کے منصوبوں اور ادھیڑبن میں لگا رہتا ہے۔ یہ مرض سخت خطرناک ہے۔ وہ نہیں سمجھتا کہ ایسی باتوں سے نفس کا کیا نقصان کر رہا ہوں اور اس سے میری اخلاقی اور روحانی قوتوں پر کس قسم کا بُرا اثر پڑ رہا ہے اسلئے اس قسم کے خیالات سے ہمیشہ بچنا چاہیئے۔ جب کبھی کوئی ایسا بیہودہ سلسلہ خیالات شروع ہو تو فوراً اس کے رفع کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ استغفار پڑھو۔ لاحول کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کی مدد اور توفیق چاہو۔ اور خدا تعالیٰ کی کتاب کے پڑھنے میں اپنے آپ کو مصروف کر دو اور یہ سمجھ لو کہ اس قسم کے خیالی سلسلہ سے کچھ فائدہ نہیں۔ بلکہ سراسر نقصان ہی نقصان ہے۔ اگر دشمن مر بھی جاوے تو کیا اور زندہ رہے تو کیا؟ نفع و نقصان کا پہنچانا خدا تعالیٰ کے قبضہ و اختیار میں ہے۔ کوئی شخص کسی کو

کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ سعدی نے گلستان میں ایک حکایت لکھی ہے کہ نوشیرواں بادشاہ کے پاس کوئی شخص خوش خبری لے کر گیا۔ کہ تیرا فلاں دشمن مارا گیا ہے اور اس کا ملک اور قلعہ ہمارے قبضہ میں آگیا ہے نوشیرواں نے اس کا کیا اچھا جواب دیا ہے

مرا بمرگِ عُدو جائے شادمانی نیست
کہ زندگانیٔ ما نیز جاودانی نیست

پس انسان کو چاہیئے کہ اس امر پر غور کرے۔ کہ اس قسم کے منصوبوں اور ادھیڑبن سے کیا فائدہ اور کیا خوشی۔ یہ سلسلہ تو بہت ہی خطرناک ہے۔ اور اس کا علاج ہے توبہ، استغفار، لاحول اور خدا تعالیٰ کی کتاب کا مطالعہ، بیکاری اور بے شغلی میں اس قسم کا سِلسلہ بہت لمبا ہو جایا کرتا ہے۔

دوسری قسم کلام نفس کی امانی ہے۔ یہ سلسلہ بھی چونکہ بیجا خواہشوں کو پیدا کرتا ہے۔ اور طمع حسد اور خود غرضی کے امراض اس سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے جونہی یہ سلسلہ پیدا ہو۔ فوراً اس کی صف لپیٹ دو۔ میں نے یہ تقسیم کلام نفس کی جو کی ہے۔ یہ دونوں قسمیں انجام کار انسان کو ہلاک کر دیتی ہیں۔ لیکن نبی ان دونوں قسم کے سلسلۂ کلام سے پاک ہوتا ہے۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۲۳۷)

۱۷

اخلاقی تزکیہ کے لئے خدا تعالیٰ کے فضل کو جذب کرنے کے تین پہلو

"انسان موٹی موٹی بدیوں کو تو آسانی سے چھوڑ بھی دیتا ہے لیکن بعض بدیاں ایسی باریک اور مخفی ہوتی ہیں کہ اوّل تو انسان مشکل سے انہیں معلوم کرتا ہے اور پھر ان کا چھوڑنا اسے بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ اسکی ایسی ہی مثال ہے کہ محرقہ بھی گو سخت تپ ہے مگر اس کا علاج کھلا کھلا ہو سکتا ہے لیکن تپ دق جو اندر ہی کھا رہا ہے اس کا علاج بہت ہی مشکل ہے۔ اسی طرح پر یہ باریک اور مخفی بدیاں ہوتی ہیں جو انسان کو فضائل کے حاصل کرنے سے روکتی ہیں۔ یہ اخلاقی بدیاں ہوتی ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ میل ملاپ اور معاملات میں پیش آتی ہیں اور ذرا ذرا سی بات اور اختلاف رائے پر دلوں میں بغض، کینہ، حسد، ریا، تکبر پیدا ہو جاتا ہے اور اپنے بھائی کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ چند روز اگر نماز سنوار کر پڑھی ہے اور لوگوں نے تعریف کی تو ریا اور نمود پیدا ہو گیا اور وہ اصل غرض جو اخلاص تھی جاتی رہی۔ اور اگر خدا تعالیٰ نے دولت دی ہے یا علم دیا ہے یا کوئی خاندانی وجاہت حاصل ہے تو اس کی وجہ سے اپنے دوسرے بھائی کو جس کو یہ باتیں نہیں ملی ہیں، حقیر اور ذلیل سمجھتا ہے اور اپنے بھائی کی عیب چینی کے لئے حریص ہوتا ہے۔ اور تکبر مختلف رنگوں میں ہوتا ہے کسی میں کسی رنگ میں اور کسی میں کسی طرح سے۔ علماء علم کے رنگ میں اُسے ظاہر کرتے ہیں اور

علمی طور پر نکتہ چینی کر کے اپنے بھائی کو گرانا چاہتے ہیں۔ غرض کسی نہ کسی طرح عیب چینی کر کے اپنے بھائی کو ذلیل کرنا اور نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ رات دن اس کے عیبوں کی تلاش میں رہتے ہیں اس قسم کی باریک بدیاں ہوتی ہیں جن کا دُور کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور شریعت ان باتوں کو جائز نہیں رکھتی ہے۔ ان بدیوں میں عوام ہی مبتلا نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگ جو متعارف اور موٹی موٹی بدیاں نہیں کرتے اور خواص سمجھے جاتے ہیں وہ بھی اکثر مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ان سے خلاصی پانا اور مرنا ایک ہی بات ہے۔ اور جب تک ان بدیوں سے نجات حاصل نہ کرلے۔ تزکیۂ نفس کامل طور پر نہیں ہوتا اور انسان ان کمالات اور انعامات کا وارث نہیں بنتا جو تزکیہ نفس کے بعد خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں بعض لوگ اپنی جگہ سمجھ لیتے ہیں کہ ان اخلاقی بدیوں سے ہم نے خلاصی پالی ہے۔ لیکن جب کبھی موقعہ آپڑتا ہے اور کسی سفیہ سے مقابلہ ہو جاوے تو انہیں بڑا جوش آتا ہے اور پھر وہ گند ان سے ظاہر ہوتا ہے جس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ اس وقت پتہ لگتا ہے کہ ابھی کچھ بھی حاصل نہیں کیا اور وہ تزکیہ نفس جو کامل کرتا ہے میسّر نہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تزکیہ جس کو اخلاقی تزکیہ کہتے ہیں بہت ہی مشکل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس فضل کے جذب کرنے کے لئے بھی وہی تین پہلو ہیں۔ اوّل مجاہدہ اور تدبیر، دوم دُعا، سوم صُحبتِ صادقین۔"

(روحانی خزائن جلد چہارم صفحہ ۲۱)

۱۸

خداتعالیٰ کے فیوض کو اپنی طرف کھینچنے کیلئے گریہ و بکا صِدق و صفا اور دردِ دل سے پُر دعاؤں کی ضرورت ہے

"یہ اُمید مت رکھو کہ کوئی اور منصوبہ انسانی نفس کو پاک کر سکے۔ جس طرح تاریکی کو صرف روشنی ہی دُور کرتی ہے۔ اسی طرح گناہ کی تاریکی کا علاج فقط تجلیاتِ الٰہیہ قولی، فعلی ہیں۔ جو معجزانہ رنگ میں پُرزور شعاعوں کے ساتھ خدا کی طرف سے کسی سعید دل پر نازل ہوتی ہیں اور اس کو دکھا دیتی ہیں کہ خدا ہے۔ اور تمام شکوک کی غلاظت کو دُور کر دیتی ہیں۔ اور تسلّی اور اطمینان بخشتی ہیں۔ پس اس طاقت بالا کی زبردست کشش سے وہ سعید آسمان کی طرف اٹھایا جاتا ہے۔ اس کے سوا جس قدر اور علاج پیش کئے جاتے ہیں۔ سب فضول بناوٹ ہے۔ ہاں کامل طور پر پاک ہونے کے لئے صرف معرفت ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ پُردرد دعاؤں کا سلسلہ جاری رہنا بھی ضروری ہے۔ کیوں کہ خداتعالے غنی، بے نیاز ہے۔ اس کے فیوض کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے ایسی دعاؤں کی سخت ضرورت ہے جو گریہ اور بکا اور صدق و صفا اور دردِ دل سے پُر ہوں۔ تم دیکھتے ہو کہ بچہ شیرخوار اگرچہ اپنی ماں کو خوب شناخت کرتا ہے اور اس سے محبت بھی رکھتا ہے۔ اور ماں بھی اس سے محبت رکھتی ہے۔ مگر پھر بھی ماں کا دودھ اترنے کے لئے شیرخوار بچوں کا رونا بہت کچھ دخل رکھتا ہے۔ ایک طرف بچہ دردناک طور پر بھوک سے روتا

ہے اور دوسری طرف اس کے رونے کا ماں کے دل پر اثر پڑتا ہے اور دودھ اترتا ہے۔ پس اسی طرح خداتعالیٰ کے سامنے ہر ایک طالب کو اپنی گریہ وزاری سے اپنی روحانی بھوک پیاس کا ثبوت دینا چاہیئے۔ تا وہ روحانی دودھ اترے اور اُسے سیراب کرے۔

غرض پاک صاف ہونے کے لئے معرفت کافی نہیں بلکہ بچوں کی طرح دردناک گریہ وزاری بھی ضروری ہے۔ اور نومید مت ہو اور یہ خیال مت کرو کہ ہمارا نفس گناہوں سے بہت آلودہ ہے۔ ہماری دعائیں کیا چیز ہیں اور کیا اثر رکھتی ہیں۔ کیونکہ انسانی نفس جو دراصل محبت الٰہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ اگرچہ گناہ کی آگ سے سخت مشتعل ہو جائے۔ پھر بھی اس میں ایک ایسی قوت توبہ ہے کہ وہ اس آگ کو بجھا سکتی ہے۔"

(روحانی خزائن جلد ۲۱ صـ۳۳)

نفس کو مارو کہ اس جیسا کوئی دشمن نہیں
چپکے چپکے کرتا ہے پیدا وہ سامان دمار
جس نے نفس دوں کو ہمت کر کے زیرِ پا کیا
چیز کیا ہیں اس کے آگے رستم و اسفندیار

(روحانی خزائن جلد ۲۱ صـ۱۴۴)

۱۹

دیدارِ الٰہی کیلئے یہاں سے حواس اور آنکھیں لے جاوے

بہشت کی لذات میں ایک اور بھی خوبی ہے جو دنیا کی لذتوں میں اور جسمانی لذتوں میں نہیں ہے۔ مثلاً انسان روٹی کھاتا ہے تو دوسری لذتیں اسے یاد نہیں رہتی ہیں۔ مگر بہشت کی لذات نا صرف جسم ہی کیلئے ہوں گی۔ بلکہ روح کے لئے بھی لذت بخش ہوں گی۔ دونوں لذتیں اس میں اکٹھی ہوں گی اور پھر اس میں کوئی کثافت نہ ہوگی اور سب سے بڑھ کر جو لذت ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ مگر دیدارِ الٰہی کے لئے یہاں ہی سے انسان آنکھیں لے جاوے۔ جو شخص یہاں تیاری نا کرکے جاوے گا۔ وہ وہاں محروم رہے گا۔ چنانچہ فرمایا :۔

من کان فی ھٰذہٖ اعمٰی فھو فی الاخرۃ اعمٰی (الاسریٰ:۷۳)

اس کے یہ معنی نہیں کہ جو لوگ یہاں نابینا اور اندھے ہیں وہ وہاں بھی اندھے ہوں گے۔ نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ دیدارِ الٰہی کے لئے یہاں سے حواس اور آنکھیں لے جاوے۔ اور ان آنکھوں کے لئے ضرورت ہے تبتل کی، تزکیہ نفس کی اور یہ کہ خدا تعالیٰ کو سب پر مقدم کرو۔ اور خدا تعالیٰ کے ساتھ دیکھو، سنو اور بولو۔ اسی کا نام فنافی اللہ ہے۔ اور جب تک یہ مقام اور درجہ حاصل نہیں ہوتا نجات نہیں۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۴۰۳)

(۲۰)

نفس پر قابو کی مثال

"کہتے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ایک دشمن سے لڑتے تھے اور محض خدا کے لئے لڑتے تھے۔ آخر حضرت علیؓ نے اس کو اپنے نیچے گرا لیا۔ اور اس کے سینہ پر چڑھ بیٹھے۔ اس نے جھٹ حضرت علیؓ کے مُنہ پر تھوک دیا۔ آپ فوراً اس کی چھاتی پر سے اتر آئے اور اسے چھوڑ دیا۔ اس لئے کہ اب تک تو مَیں محض خدا تعالیٰ کے لئے تیرے ساتھ لڑتا تھا۔ لیکن اب جب کہ تُونے میرے منہ پر تھوک دیا تو میرے اپنے نفس کا بھی کچھ حصہ اس میں شریک ہو جاتا ہے۔ پس مَیں نہیں چاہتا کہ اپنے نفس کے لئے تمہیں قتل کروں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے نفس کے دشمن کو دشمن نہیں سمجھا۔ ایسی فطرت اور عادت اپنے اندر پیدا کرنی چاہیئے۔ اگر نفسانی لالچ اور اغراض کے لئے کسی کو دکھ دیتے اور عداوت کے سلسلوں کو وسیع کرتے ہیں تو اس سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کو ناراض کرنے والی بات کیا ہوگی"۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۴۴)

(۲۱)

نفس کو خدا تعالیٰ کے آگے ذبح کرنا

"یاد رہے کہ جسمانی خواہشیں اور شہوات انبیاء اور رسل میں بھی ہوتی

ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ وہ پاک لوگ پہلے خدا تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے کے لئے تمام خواہشوں اور جذبات نفسانیہ سے الگ ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے نفس کو خدا کے آگے ذبح کر دیتے ہیں۔ اور پھر جو خدا تعالیٰ کے لئے کھوتے ہیں بطور فضل کے طور پر ان کو واپس دیا جاتا ہے۔ اور سب کچھ ان پر وارد ہوتا ہے اور وہ درماندہ نہیں ہوتے مگر جو لوگ خدا تعالیٰ کے لئے اپنا نفس ذبح نہیں کرتے ان کے شہوات ان کے لئے بطور پردہ کے ہو جاتے ہیں۔ آخر نجاست کے کیڑے کی طرح گند میں مرتے ہیں۔ پس ان کی اور خدا کے پاک لوگوں کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک ہی جیل خانہ میں داروغہ جیل بھی رہتا ہے اور قیدی بھی رہتے ہیں مگر نہیں کہہ سکتے کہ داروغہ ان قیدیوں کی طرح ہے"۔

(روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۹)

۲۲

پورے طور پر تزکیہ تھوڑے ہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے

"پورے طور پر تزکیہ تھوڑے ہی شخصوں کو حاصل ہوتا ہے۔ اکثر لوگ جو نیک ہوتے ہیں وہ بسبب کمزوری کی کچھ نہ کچھ خرابی اپنے اندر رکھتے ہیں۔ ان کے دین میں کوئی حصہ دنیوی ملونی کا بھی ہوتا ہے۔ اگر انسان اپنے سارے امور میں صاف ہو اور ہر بات میں پوری طرح تزکیہ نفس رکھتا ہو وہ ایک قطب اور غوث بن جاتا ہے"۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۲۶۶)

۲۳

تزکیہ نفس کے بغیر قرآن مجید نہیں سمجھا جا سکتا

"جب انسان تزکیہ نفس اختیار کرتا ہے تو قرآن شریف کے معنی اور معارف اُس پر کھولے جاتے ہیں۔
تزکیہ نفس ایک ایسی چیز ہے کہ قرآن مجید کے بہت سے حصہ کی سمجھ اس کے بغیر آ ہی نہیں سکتی۔ جن لوگوں کا تزکیہ نفس ہوتا ہے اور جو پاک دل اور مطہر لوگ ہوتے ہیں ان کو بہت سی باتیں خود بخود ہی ایسی سوجھ جایا کرتی ہیں جو کہ قرآن مجید کے منشاء کے مطابق ہوتی ہیں اور قرآن مجید خود بخود ہی حل ہوتا جاتا ہے۔"

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۳۴۲)

۲۴

اس نے نجات پائی جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا

"جب کوئی مصائب میں گرفتار ہوتا ہے تو قصور آخر بندے کا ہی ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا تو قصور نہیں۔ بعض لوگ بظاہر بہت نیک معلوم ہوتے ہیں اور انسان تعجب کرتا ہے کہ اس پر کوئی تکلیف کیوں وارد ہوئی یا کسی نیکی کے حصول سے یہ کیوں محروم رہا۔ لیکن دراصل اس کے مخفی گناہ ہوتے ہیں جنہوں نے اس کی حالت یہاں تک پہنچائی ہوئی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ چونکہ بہت معاف کرتا ہے اور درگزر فرماتا ہے۔ اس واسطے انسان کے مخفی گناہوں کا کسی کو پتہ نہیں لگتا۔ مگر مخفی گناہ دراصل ظاہر کے گناہوں سے بدتر ہوتے ہیں گناہوں کا حال بھی بیماریوں کی طرح ہے۔ بعض موٹی بیماریاں ہیں۔ ہر ایک شخص دیکھ لیتا ہے کہ فلاں بیمار ہے۔ مگر بعض ایسی مخفی بیماریاں ہیں کہ بسا اوقات مریض کو بھی معلوم نہیں ہوتا۔ کہ مجھے کوئی خطرہ دامن گیر ہو رہا ہے۔ ایسا ہی تپ دق ہے کہ ابتداء میں اس کا پتہ بعض دفعہ طبیب کو بھی نہیں لگ سکتا۔ یہاں تک کہ بیماری خوفناک صورت اختیار کر لیتی ہے۔ ایسا ہی انسان کے اندرونی گناہ ہیں جو رفتہ رفتہ اسے ہلاکت تک پہنچا دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے رحم کرے۔ قرآن شریف میں آیا ہے۔ قد افلح من زکٰھا۔ (الشمس: ۱۰) اس نے نجات پائی جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا لیکن تزکیہ نفس بھی ایک موت ہے۔ جب تک کُل اخلاقِ رذیلہ کو ترک نہ کیا جاوے تزکیہ نفس کہاں حاصل ہو سکتا ہے۔ ہر ایک شخص میں کسی نہ کسی شر کا مادہ ہوتا ہے۔ وہ اس کا شیطان ہوتا ہے جب تک اس کو قتل نہ کرے کام نہیں بن سکتا۔" (ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۲۱۶)

۲۵

ترک نفس کر کے تمام امانتیں خدا تعالیٰ کی اسکو واپس دیجائیں

"مومن کا کام یہ ہے کہ نفس کو بھی ترک کر دے اور اس کو خدا تعالیٰ کی امانت سمجھ کر خدا تعالیٰ کی طرف واپس کرے اور خدا کے کاموں میں اپنے نفس

کو وقف کرکے اُس سے خدمت لے اور خدا کی راہ میں بذلِ نفس کرنے کا ارادہ رکھے اور اپنے نفس کی نفی وجود کے لئے کوشش کرے ۔ کیونکہ جب تک نفس کا وجود باقی ہے گناہ کرنے کے لئے جذبات بھی باقی ہیں جو تقویٰ کے برخلاف ہیں اور نیز جب تک وجود نفس باقی ہے ممکن نہیں کہ انسان تقویٰ کی باریک راہوں پر قدم مار سکے یا پورے طور پر خدا کی امانتوں اور عہدوں یا مخلوق کی امانتوں اور عہدوں کو ادا کر سکے ۔ لیکن جیسا کہ بخل بغیر توکّل اور خدا کی رازقیت پر ایمان لانے کے ترک نہیں ہو سکتا اور شہواتِ نفسانیہ محرّمہ بغیر استیلاء ہیبت اور عظمتِ الٰہی اور لذاتِ روحانیہ کے چھوٹ نہیں سکتیں ایسا ہی یہ مرتبہ عظمیٰ کہ ترکِ نفس کرکے تمام امانتیں خدا تعالیٰ کی اس کو واپس دی جائیں کبھی حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ ایک تیز آندھی عشق الٰہی کی چل کر کسی کو اس کی راہ میں دیوانہ نہ بنا دے ۔ یہ تو درحقیقت عشق الٰہی کے مستوں اور دیوانوں کے کام ہیں ۔ دنیا کے عقلمندوں کے کام نہیں ؎

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قرعہ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

اسی کی طرف اللہ تعالیٰ اشارہ فرماتا ہے ۔

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۔ (الاحزاب: ۷۳)

ہم نے اپنی امانت کو جو امانت کی طرح واپس دینی چاہیئے تمام زمین و آسمان کی مخلوق پر پیش کیا پس سب نے اس امانت کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور

اس سے ڈرے کہ امانت کے لینے سے کوئی خرابی پیدا نہ ہو۔ مگر انسان نے اس امانت کو اپنے سر پر اُٹھا لیا کیونکہ وہ ظلوم اور جہول تھا۔ یہ دونوں لفظ انسان کے لئے محلِ مدح میں ہیں نہ محلِ مذمت میں۔ اور ان کے معنے یہ ہیں کہ انسان کی فطرت میں ایک صفت تھی کہ وہ خدا کے لئے اپنے نفس پر ظلم اور سختی کر سکتا تھا۔ اور ایسا خدا تعالیٰ کی طرف جُھک سکتا تھا کہ اپنے نفس کو فراموش کر دے۔ اس لئے اُس نے منظور کیا کہ اپنے تمام وجود کو امانت کی طرح پائے۔ اور پھر خدا کی راہ میں خرچ کر دے۔"

(روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۲۳۸)

(۲۶)

قضا و قدر سے پیش آنے والے حادثات کی برداشت (بھی تزکیہ نفس کا باعث ہوتی ہے)

"یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے فضل کے حاصل کرنے کے دو راہ ہیں۔ ایک تو زہد نفس کشی اور مجاہدات کا ہے اور دوسرا قضا و قدر کا۔ لیکن مجاہدات سے اس راہ کا طے کرنا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ اس میں انسان کو اپنے ہاتھ سے اپنے بدن کو مجروح اور خستہ کرنا پڑتا ہے۔ عام طبائع بہت کم اس پر قادر ہوتی ہیں۔ کہ وہ دیدہ دانستہ تکلیف جھیلیں۔ لیکن قضا و قدر کی طرف سے جو واقعات اور حادثات انسان پر آکر پڑتے ہیں وہ ناگہانی ہوتے ہیں اور جب آپڑتے ہیں تو قہر درویش بر جان درویش ان کو برداشت کرنا ہی پڑتا ہے جو کہ اس کے تزکیہ نفس کا باعث ہو جاتا ہے۔"

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۵۸)

۲۷

نفس اور دنیا کی محبّت سے خالی دل کو خدا تعالےٰ تجلّیاتِ حسن و جمال کے ساتھ اپنی محبت سے پُر کر دیتا ہے

خُدا نے انسان کی ایسی فطرت رکھی ہے۔ کہ وہ ایک ایسے ظرف کی طرح ہے جو کسی قسم کی محبت سے خالی نہیں رہ سکتا اور خلا یعنی خالی رہنا اس میں محال ہے۔ پس جب کوئی ایسا دل ہو جاتا ہے کہ نفس کی محبت اور اس کی آرزوؤں اور دنیا کی محبت اور اس کی تمناؤں سے بالکل خالی ہو جاتا ہے۔ اور سفلی محبتوں کی آلائشوں سے پاک ہو جاتا ہے تو ایسے دل کو جو غیر کی محبت سے خالی ہو چکا ہے۔ خدا تعالیٰ تجلیاتِ حسن و جمال کے ساتھ اپنی محبت سے پُر کر دیتا ہے۔ تب دنیا اس کی دشمنی کرتی ہے کیونکہ دنیا شیطان کے سایہ کے نیچے چلتی ہے۔ اس لئے وہ راستباز سے پیار نہیں کر سکتی مگر خُدا اس کو ایک بچہ کی طرح اپنے کنارِ عاطفت میں لے لیتا ہے اور اس کے لئے ایسی ایسی طاقتِ الوہیت کے کام دکھلاتا ہے۔ جس سے ہر ایک دیکھنے والے کی آنکھ کو چہرہ خدا کا نظر آجاتا ہے۔ پس اس کا وجود خدا نما ہوتا ہے۔ جس سے پتہ لگتا ہے کہ خدا موجود ہے۔"

(روحانی خزائن جلد ۲۲ ص ۵۶)

۲۸

انسان کا دل خُدا کی محبت کا پانی چوس کر زہریلے مواد کے نکالنے پر قوت پاتا ہے

دُعا بھی توبہ ہے کیونکہ اس سے بھی ہم خدا کا قرب ڈھونڈتے ہیں۔ اسی لئے خدا نے انسان کی جان کو پیدا کر کے اس کا نام رُوح رکھا کیونکہ اس کی حقیقی راحت اور آرام خُدا کے اقرار اور اس کی محبت اور اس کی اطاعت میں ہے اور اس کا نام نفس رکھا۔ کیونکہ وہ خدا سے اتحاد پیدا کرنے والا ہے۔ خدا سے دل لگانا ایسا ہوتا ہے جیسا کہ باغ میں وہ درخت ہوتا ہے جو باغ کی زمین سے خوب پیوستہ ہوتا ہے یہی انسان کا جنت ہے اور جس طرح درخت زمین کے پانی کو چوستا اور اپنے اندر کھینچتا اور اُس سے اپنے زہریلے بخارات باہر نکالتا ہے۔ اسی طرح انسان کے دل کی حالت ہوتی ہے کہ وہ خدا کی محبت کا پانی چوس کر زہریلے مواد کے نکالنے پر قوت پاتا ہے۔

(روحانی خزائن جلد ۱۲ صـ ۳۲۹)

۲۹

خداتعالیٰ اپنے احباء کو دوزخ میں نہیں ڈالتا

"جب انسان خدا کی طرف بکلّی آجاتا ہے اور نفس کی طرف کو بکلّی چھوڑ دیتا ہے۔ تو خداتعالیٰ اس کا دوست ہو جاتا ہے۔ تو کیا وہ پھر دوست کو

دوزخ میں ڈال دے گا۔

نحن اولیاء اللہ سے ظاہر ہے کہ احباء کو دوزخ میں نہیں ڈالتے"۔

(تفسیر سورۃ مائدہ از حضرت مسیح موعودؑ ص۲۸)

۳۰

نفس کے متعلق حضرت اقدس کا ایک مکتوب

ایک دفعہ منشی رستم علی صاحب سلمہ تعالیٰ نے چند اشعار لکھ کر حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت میں ارسال کئے تو حضورؑ نے وصولی کی اطلاع دینے کے ساتھ نفس کو چھوڑنے کا نکتہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

محبّی مشفقی اخویم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

عنایت نامہ پہنچا۔ آپ کے اشعار نہایت پاکیزہ اور عمدہ دل سے نکلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ با ایں ہمہ متانت ایسی ہے کہ گویا ایک اہل زبان شاعر کی۔ یہ امر خداداد ہے۔ خدا تعالیٰ آپ کو اپنی محبت بخشے۔ دنیا فانی اور محبت دنیا ہمہ فانی۔ جس طرح آسمان پر ستارہ نظر آتے ہیں کہ ان کے نیچے کوئی ستون نہیں خدا تعالیٰ کے حکم سے ٹھہرے ہوئے ہیں اور حکم کی پابندی سے بے ستون کھڑے ہیں گرتے نہیں۔ اسی طرح مومن بھی حکم کا پابند ہے۔ خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری میں کھڑا رہتا ہے گرتا نہیں۔ مومن کا دنیا اور نفس کو چھوڑنا ایک خارق عادت امر ہے۔ وہ تبدیلی جو

خداتعالیٰ اس میں پیدا کرتا ہے وہ مومن کو قوت دیتی ہے۔ ورنہ ہر ایک شخص فانی لذت کا طالب اور شیطانی خیال اس پر غالب ہے۔ مومن پر شیطان غالب نہیں آتا کیونکہ وہ خداتعالیٰ سے بیعت الموت کر چکا ہے۔ شیطان پر وہی فتح پاتا ہے جو بیعت الموت کرے جیسے کہ آپکے اشعار میں رقت ہے۔ خداتعالےٰ آپ کے دل میں ایسی ہی سچّی رقت پیدا کرے۔ ایک شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں شاعر تھا اور ایمان نہیں لایا تھا۔ ایک نفس پرست آدمی تھا لیکن شعر اس کے مواحدانہ اور عارفانہ تھے ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے شعر سُنے۔ نہایت پاکیزہ تھے۔ آنحضرتؐ بہت خوش ہوئے اور فرمایا:۔ اٰمَنَ شِعْرُہٗ وَکَفَرَ نَفْسُہٗ یعنی شعر اس کا ایمان لایا اور نفس اس کا کافر ہوا۔ خداتعالیٰ آپ کے شعر اور آپ کے دل کو ایک ہی نُور سے منور کرے .... دُعا میں بہت مشغول رہیں کہ تمام امن اور آرام خدا کی یاد میں ہے۔

والسلام

خاکسار

غلام احمد عفی عنہ

۱۳ر نومبر ۱۸۸۹ء

(مکتوبات احمدیہ صفحہ ۱۰۲ جلد پنجم نمبر سوم)

(۲۱)

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ عہدِ نبوت پھر آجاوے اور تقویٰ و طہارت پھر قائم ہو

"پس میرے نزدیک پاک ہونے کا یہ عمدہ طریق ہے اور ممکن نہیں کہ اس سے بہتر کوئی اور طریق مل سکے کہ انسان کسی قسم کا تکبّر اور فخر نہ کرے نہ علمی، نہ خاندانی، نہ مالی۔ جب خدا تعالیٰ کسی کو آنکھ عطا کرتا ہے تو وہ دیکھ لیتا ہے کہ ہر ایک روشنی جو ان ظلمتوں سے نجات دے سکتی ہے وہ آسمان سے ہی آتی ہے اور انسان ہر وقت آسمانی روشنی کا محتاج ہے آنکھ بھی دیکھ نہیں سکتی جب تک سُورج کی روشنی جو آسمان سے آتی ہے نہ آئے۔ اسی طرح باطنی روشنی جو ہر ایک قسم کی ظلمت کو دُور کرتی ہے اور اس کی بجائے تقویٰ اور طہارت کا نور پیدا کرتی ہے آسمان ہی سے آتی ہے۔۔۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ انسان کا تقویٰ، ایمان، عبادت، طہارت، سب کچھ آسمان سے آتا ہے۔ اور یہ خدا تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے وہ چاہے تو اس کو قائم رکھے اور چاہے تو دُور کر دے۔

پس سچی معرفت اسی کا نام ہے کہ انسان اپنے نفس کو مسلوب اور لاشئ محض سمجھے۔ اور آستانۂ الوہیت پر گر کر انکسار اور عجز کے ساتھ خدا تعالےٰ کے فضل کو طلب کرے۔ اور اس نورِ معرفت کو مانگے جو جذباتِ نفس کو جلا دیتا ہے اور اندر ایک روشنی اور نیکیوں کے لئے قوت اور حرارت پیدا کرتا

ہے۔ پھر اگر اس کے فضل سے اس کو حصّہ مل جاوے اور کسی وقت کسی قسم کا بسط اور شرح صدر حاصل ہو جاوے تو اس پر تکبّر اور ناز نہ کرے بلکہ اس کی فروتنی اور انکسار میں اَور بھی ترقی ہو۔ کیونکہ جس قدر وہ اپنے آپ کو لاشئ سمجھے گا اسی قدر کیفیات اور انوار خدا تعالیٰ سے اتریں گے جو اس کو روشنی اور قوت پہنچائیں گے۔ اگر انسان یہ عقیدہ رکھے گا تو اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کی اخلاقی حالت عمدہ ہو جائے گی۔ دنیا میں اپنے آپ کو کچھ سمجھنا بھی تکبّر ہے اور یہی حالت بنا دیتا ہے۔ پھر انسان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ دوسرے پر لعنت کرتا ہے اور اُسے حقیر سمجھتا ہے۔

مَیں یہ سب باتیں بار بار اس لئے کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے جو اس جماعت کو بنانا چاہا ہے تو اس سے یہی غرض رکھی ہے کہ وہ حقیقی معرفت جو دُنیا میں گُم ہو چکی ہے اور وہ حقیقی تقویٰ و طہارت جو اس زمانہ میں پائی نہیں جاتی۔ اسے دوبارہ قائم کرے۔

عام طور پر تکبّر دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ علماء اپنے علم کی شیخی اور تکبّر میں گرفتار ہیں۔ فقراء کو دیکھو تو ان کی بھی حالت اور ہی قسم کی ہو رہی ہے ان کو اصلاح نفس سے کوئی کام ہی نہیں رہا۔ ان کی غرض و غایت صرف جسم تک محدود ہے۔ اس لئے اُن کے مجاہدے اور ریاضتیں بھی کچھ اور ہی قسم کی ہیں جیسے ذکر ارّہ وغیرہ۔ جن کا چشمہ نبوت سے پتہ نہیں چلتا۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ دل کو پاک کرنے کی طرف ان کی توجہ ہی نہیں۔ صرف جسم ہی جسم باقی رہا ہوا ہے۔ جس میں رُوحانیت کا کوئی نام و نشان نہیں۔ یہ مجاہدے دل کو پاک نہیں کر سکتے اور نہ کوئی حقیقی نور معرفت کا بخش سکتے ہیں۔ پس یہ زمانہ اب بالکل خالی ہے۔ نبوی طریق جیسا کہ کرنے کا تھا وہ

بالکل ترک کر دیا گیا ہے۔ اور اس کو بھلا دیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ عہدِ نبوت پھر آجاوے اور تقویٰ اور طہارت پھر قائم ہو۔ اور اس کو اس نے اس جماعت کے ذریعہ چاہا ہے۔

پس فرض ہے کہ حقیقی اصلاح کی طرف تم توجہ کرو اسی طرح پر جس طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح کا طریق بتایا ہے۔"

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۲۱۳)

(۳۲)

نفس کا گند خدا تعالیٰ کے فضل سے ہی دور ہو سکتا ہے

"درحقیقت یہ گند جو نفس کے جذبات کا ہے اور بداخلاقی۔ کبر۔ ریا وغیرہ صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے اس پر موت نہیں آتی جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہو اور یہ مواد ردّیہ جل نہیں سکتے۔ جب تک معرفت کی آگ اُن کو نہ جلائے جس میں یہ معرفت کی آگ پیدا ہو جاتی ہے وہ ان اخلاقی کمزوریوں سے پاک ہونے لگتا ہے اور بڑا ہو کر بھی اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہے اور اپنی ہستی کو کچھ حقیقت نہیں پاتا۔ وہ اس نور اور روشنی کو جو انوارِ معرفت سے اُسے ملتی ہے اپنی کسی قابلیت اور خوبی کا نتیجہ نہیں مانتا۔ اور نہ اسے اپنے نفس کی طرف منسوب کرتا ہے بلکہ وہ اُسے خدا تعالےٰ ہی کا فضل اور رحم یقین کرتا ہے جیسے ایک دیوار پر آفتاب کی روشنی اور دھوپ پڑ کر اُسے منور کر دیتی ہے لیکن دیوار اپنا کوئی فخر نہیں کر سکتی کہ یہ روشنی میری قابلیت کی وجہ سے ہے۔ یہ ایک دوسری بات ہے کہ

جس قدر وہ دیوار صاف ہوگی اسی قدر روشنی زیادہ صاف ہوگی۔ لیکن کسی حال میں دیوار کی ذاتی قابلیت اس روشنی کے لئے کوئی نہیں بلکہ اس کا فخر آفتاب کو ہے اور ایسا ہی وہ آفتاب کو یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ تو اس روشنی کو اُٹھا لے۔ اسی طرح پر انبیاء علیہم السلام کے نفوس صافیہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فیضان اور فیوض سے معرفت کے انوار ان پر پڑتے ہیں اور ان کو روشن کر دیتے ہیں۔ اسی لئے وہ ذاتی طور پر کوئی دعویٰ نہیں کرتے بلکہ ہر ایک فیض کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب کرتے ہیں اور یہی سچ بھی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا آپ اعمال سے داخل جنت ہوں گے تو یہی فرمایا کہ ہرگز نہیں خدا تعالیٰ کے فضل سے انبیاء علیہم السلام کبھی کسی قوت اور طاقت کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتے وہ خدا ہی سے پاتے ہیں اور اُسی کا نام لیتے ہیں۔"

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۲۱۱-۲۱۲)

حقوق العباد

شرائط بیعت

دس شرائط بیعت سلسلہ عالیہ احمدیہ میں سے چوتھی شرط

(بیعت کنندہ ...... ناقل) "یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔"

دس شرائط بیعت میں سے نویں شرط

(بیعت کنندہ ..... ناقل) "تمام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض لِلّٰہ مشغول رہے گا اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائے گا۔"

(اشتہار تکمیل تبلیغ ۱۲؍جنوری ۱۸۸۹ء)

۲

حق العباد کیا ہے؟

"شریعت کے دو ہی بڑے حصے اور پہلو ہیں جن کی حفاظت انسان کو ضروری ہے۔ ایک حق اللہ، دوسرے حق العباد۔ حق اللہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اس کی اطاعت، عبادت، توحید، ذات اور صفات میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کرنا۔ اور حق العباد یہ ہے کہ اپنے بھائیوں سے تکبر، خیانت اور ظلم کسی نوع کا نہ کیا جاوے۔ گویا اخلاقی حصہ میں کسی قسم کا فتور نہ ہو۔ سُننے میں تو یہ دو ہی فقرے ہیں لیکن عمل کرنے میں بہت ہی مشکل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل انسان پر ہو تو وہ ان دونوں پہلوؤں پر قائم ہو سکتا ہے کسی میں قوتِ غضبی بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ جب وہ جوش مارتی ہے تو نہ اس کا دل پاک رہ سکتا ہے۔ اور نہ زبان۔ دل سے اپنے بھائی کے خلاف ناپاک منصوبے کرتا ہے اور زبان سے گالی دیتا ہے۔ اور پھر کینہ پیدا کرتا ہے۔ کسی میں قوتِ شہوت غالب ہوتی ہے اور وہ اس میں گرفتار ہو کر حدود اللہ کو توڑتا ہے۔ غرض جب تک انسان کی اخلاقی حالت بالکل درست نہ ہو وہ کامل الایمان جو منعم علیہ گروہ میں داخل کرتا ہے اور جس کے ذریعہ سچی معرفت کا نور پیدا ہوتا ہے اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ پس دن رات یہی کوشش ہونی چاہیئے کہ بعد اس کے جو انسان سچا موحد ہو اپنے اخلاق کو درست کرے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ اس وقت اخلاقی حالت بہت ہی گری

ہوئی ہے۔ اکثر لوگوں میں بدظنی کا مرض بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ وہ اپنے بھائی سے نیک ظنی نہیں رکھتے اور ادنیٰ ادنیٰ سی بات پر اپنے دوسرے بھائی کی نسبت بُرے بُرے خیالات کرنے لگتے ہیں اور ایسے عیوب اس کی طرف منسوب کرنے لگتے ہیں کہ اگر وہی عیب اس کی طرف منسوب ہوں تو اس کو سخت ناگوار معلوم ہو۔ اس لئے اوّل ضروری ہے کہ حتی الوسع اپنے بھائیوں پر بدظنی نہ کی جاوے اور ہمیشہ نیک ظن رکھا جاوے کیونکہ اس سے محبت بڑھتی ہے اور اُنس پیدا ہوتا ہے اور آپس میں قوت پیدا ہوتی ہے اور اس کے باعث انسان بعض دوسرے عیوب مثلاً کینہ، بغض، حسد وغیرہ سے بچا رہتا ہے۔

پھر میں دیکھتا ہوں کہ بہت سے ہیں جن میں اپنے بھائیوں کے لئے کچھ بھی ہمدردی نہیں۔ اگر ایک بھائی بھوکا مرتا ہو تو دوسرا توجہ نہیں کرتا اور اس کی خبر گیری کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ یا اگر وہ کسی اور قسم کی مشکلات میں ہے تو اتنا نہیں کرتے کہ اس کے لئے اپنے مال کا کوئی حصہ خرچ کریں۔ حدیث شریف میں ہمسایہ کی خبر گیری اور اس کے ساتھ ہمدردی کا حکم آیا ہے بلکہ یہانتک بھی ہے کہ اگر تم گوشت پکاؤ تو شوربا زیادہ کر لو تاکہ اُسے بھی دے سکو۔ اب کیا ہوتا ہے اپنا ہی پیٹ پالتے ہیں۔ لیکن اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ یہ مت سمجھو کہ ہمسایہ سے اتنا مطلب ہے جو گھر کے پاس رہتا ہو۔ بلکہ جو تمہارے بھائی ہیں وہ بھی ہمسایہ ہی ہیں خواہ وہ سو کوس کے فاصلے پر بھی ہوں۔

ہر شخص کو ہر روز اپنا مطالعہ کرنا چاہیئے کہ وہ کہانتک ان کی پروا کرتا ہے اور کہاں تک وہ اپنے بھائیوں سے ہمدردی اور سلوک کرتا ہے۔ اس کا بڑا

بھاری مطالبہ انسان کے ذمہ ہے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ قیامت کے روز خدا تعالیٰ کہے گا کہ مَیں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ مَیں پیاسا تھا اور تُو نے مجھے پانی نہ دیا۔ مَیں بیمار تھا۔ تم نے میری عیادت نہ کی۔ جن لوگوں سے یہ سوال ہوگا وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب تو کب بھوکا تھا جو ہم نے کھانا نہ دیا۔ تُو کب پیاسا تھا جو پانی نہ دیا اور تو کب بیمار تھا جو تیری عیادت نہ کی۔ پھر خدا تعالیٰ فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ جو ہے وہ ان باتوں کا محتاج تھا مگر تم نے اس کی کوئی ہمدردی نہ کی۔ اس کی ہمدردی میری ہی ہمدردی تھی ایسا ہی ایک اَور جماعت کو کہیگا کہ شاباش! تم نے میری ہمدردی کی۔ مَیں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا۔ مَیں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا وغیرہ۔ وہ جماعت عرض کرے گی کہ اے ہمارے خدا ہم نے کب تیرے ساتھ ایسا کیا؟ تب اللہ تعالیٰ جواب دے گا کہ میرے فلاں بندہ کے ساتھ جو تم نے ہمدردی کی وہ میری ہی ہمدردی تھی۔ دراصل خدا تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی کرنا بہت ہی بڑی بات ہے اور خدا تعالیٰ اس کو بہت پسند کرتا ہے اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ وہ اس سے اپنی ہمدردی ظاہر کرتا ہے۔ عام طور پر دنیا میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کا خادم کسی اس کے دوست کے پاس جاوے اور وہ شخص اس کی خبر بھی نہ لے تو کیا وہ آقا جس کا کہ وہ خادم ہے اس اپنے دوست سے خوش ہوگا؟ کبھی نہیں۔ حالانکہ اس کو تو کوئی تکلیف اس نے نہیں دی۔ مگر نہیں۔ اس نوکر کی خدمت اور اس کے ساتھ حسن سلوک گویا مالک کے ساتھ حسن سلوک ہے۔ خدا تعالیٰ کو بھی اس طرح پر اس بات کی چڑ ہے کہ کوئی اس کی مخلوق سے سرد مہری برتے۔ کیونکہ اس کو اپنی مخلوق بہت پیاری ہے۔ پس جو شخص خدا تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی

کرتا ہے وہ گویا اپنے خدا کو راضی کرتا ہے۔

غرض اخلاق ہی ساری ترقیات کا زینہ ہے۔ میری دانست میں یہی پہلو حقوق العباد کا ہے جو حقوق اللہ کے پہلو کو تقویت دیتا ہے۔ جو شخص نوع انسان کے ساتھ اخلاق سے پیش آتا ہے خدا تعالیٰ اس کے ایمان کو ضائع نہیں کرتا جب انسان خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے ایک کام کرتا ہے اور اپنے ضعیف بھائی کی ہمدردی کرتا ہے تو اس اخلاص سے اس کا ایمان قوی ہو جاتا ہے مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ نمائش اور نمود کے لئے جو اخلاق برتے جائیں وہ اخلاق خدا تعالیٰ کے لئے نہیں ہوتے اور ان میں اخلاص کے نہ ہونے کی وجہ سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اس طرح پر تو بہت سے لوگ سرائیں وغیرہ بنا دیتے ہیں۔ ان کی اصل غرض شہرت ہوتی ہے۔ اور اگر انسان خدا تعالیٰ کے لئے کوئی فعل کرے تو خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اُسے ضائع نہیں کرتا اور اس کا بدلہ دیتا ہے۔ مَیں نے تذکرۃ الاولیاء میں پڑھا ہے کہ ایک ولی اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ بارش ہوئی اور کئی روز تک رہی۔ ان بارش کے دنوں میں مَیں نے دیکھا کہ ایک اسّی برس کا بوڑھا گبر ہے جو کوٹھے پر چڑیوں کے لئے دانے ڈال رہا ہے۔ مَیں نے اس خیال سے کہ کافر کے اعمال حبط ہو جاتے ہیں اس سے کہا کہ کیا تیرے اس عمل سے تجھے کچھ ثواب ہوگا؟ اس گبر نے جواب دیا کہ ہاں ضرور ہوگا۔ پھر وہی ولی اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جو مَیں حج کو گیا تو دیکھا کہ وہی گبر طواف کر رہا ہے۔ اس گبر نے مجھے پہچان لیا اور کہا دیکھو ان دانوں کا مجھے ثواب مل گیا یا نہیں؟ یعنی وہی دانے میرے اسلام تک لانے کا موجب ہو گئے۔

حدیث میں بھی ذکر آیا ہے کہ ایک صحابیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ

ایام جاہلیت میں مَیں نے بہت خرچ کیا تھا۔ کیا اس کا ثواب بھی مجھے ہوگا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جواب دیا کہ یہ اسی صدقہ و خیرات کا ثمرہ تو ہے کہ تو مسلمان ہوگیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خداتعالیٰ کسی کے ادنیٰ فعل اخلاص کو بھی ضائع نہیں کرتا۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مخلوق کی ہمدردی اور خبرگیری حقوق اللہ کی حفاظت کا باعث ہو جاتی ہے۔

پس مخلوق کی ہمدردی ایک ایسی شئے ہے کہ اگر انسان اُسے چھوڑ دے اور اس سے دُور ہوتا جاوے تو رفتہ رفتہ پھر وہ درندہ ہو جاتا ہے۔ انسان کی انسانیت کا یہی تقاضا ہے اور وہ اسی وقت تک انسان ہے جب تک اپنے دوسرے بھائی کے ساتھ مروّت، سلوک اور احسان سے کام لیتا ہے اور اس میں کسی قسم کی تفریق نہیں ہے جیسا کہ سعدی نے کہا ہے۔

ع بنی آدم اعضائے یک دیگر اند

یاد رکھو ہمدردی کا دائرہ میرے نزدیک بہت وسیع ہے۔ کسی قوم اور فرد کو الگ نہ کرے۔ میں آج کل کے جاہلوں کی طرح یہ نہیں کہنا چاہتا کہ تم اپنی ہمدردی کو صرف مسلمانوں سے ہی مخصوص کرو۔ نہیں، میں کہتا ہوں کہ تم خداتعالیٰ کی ساری مخلوق سے ہمدردی کرو۔ خواہ وہ کوئی ہو۔ ہندو ہو یا مسلمان یا کوئی اور۔ مَیں کبھی ایسے لوگوں کی باتیں پسند نہیں کرتا جو ہمدردی کو صرف اپنی ہی قوم سے مخصوص کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں بعض اس قسم کے خیالات بھی رکھتے ہیں کہ اگر ایک شیرے کے مٹکے میں ہاتھ ڈالا جاوے اور پھر اس کو تِلوں میں ڈال کر تِل لگائے جاویں تو جس قدر تِل اس کو لگ جاویں۔ اس قدر دھوکا اور فریب دوسرے لوگوں کو دے سکتے ہیں۔ ان کی ایسی بے ہودہ اور خیالی باتوں نے بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے اور اُن کو قریباً وحشی

اور درندہ بنا دیا ہے۔ مگر میں تمہیں بار بار یہی نصیحت کرتا ہوں کہ تم ہرگز ہرگز اپنی ہمدردی کے دائرہ کو محدود نہ کرو۔ اور ہمدردی کے لئے اس تعلیم کی پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ یعنی

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بالعدل والاحسان وایتای ذی القُرْبیٰ (النحل ۹۱)

یعنی اوّل نیکی کرنے میں تم عدل کو ملحوظ رکھو۔ جو شخص تم سے نیکی کرے تم بھی اس کے ساتھ نیکی کرو۔

اور پھر دوسرا درجہ یہ ہے کہ تم اس سے بڑھ کر اس سے سلوک کرو۔ یہ احسان ہے۔ احسان کا درجہ اگرچہ عدل سے بڑھا ہوا ہے اور یہ بڑی بھاری نیکی ہے لیکن کبھی نہ کبھی ممکن ہے احسان والا اپنا احسان جتلا دے۔ مگر ان سب سے بڑھ کر ایک درجہ ہے کہ انسان ایسے طور پر نیکی کرے جو محبت ذاتی کے رنگ میں ہو جس میں احسان نمائی کا بھی کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ جیسے ماں اپنے بچہ کی پرورش کرتی ہے وہ اس پرورش میں کسی اجر اور صلے کی خواستگار نہیں ہوتی بلکہ ایک طبعی جوش ہوتا ہے جو بچے کے لئے اپنے سارے سکھ اور آرام قربان کر دیتی ہے یہاں تک کہ اگر کوئی بادشاہ کسی ماں کو حکم دیدے کہ تو اپنے بچہ کو دودھ مت پلا اور اگر ایسا کرنے سے بچہ ضائع بھی ہو جاوے تو اس کو کوئی سزا نہیں ہو گی تو کیا ماں ایسا حکم سُن کر خوش ہو گی؟ اور اسکی تعمیل کرے گی؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ تو اپنے دل میں ایسے بادشاہ کو کوسے گی کہ کیوں اس نے ایسا حکم دیا۔ پس اس طریق پر نیکی ہو کر اسے طبعی مرتبہ تک پہنچایا جاوے۔ کیونکہ جب کوئی شئے ترقی کرتے کرتے اپنے طبعی کمال تک پہنچ جاتی ہے اس وقت وہ کامل ہوتی ہے۔"

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۲۱۴)

حقوق العباد کا خلاصہ یہ ہے

"حق العباد کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی پر ظلم نہ کرنا اور کسی کے حقوق میں دست اندازی نہ کرنا۔ جہاں اُس کا حق نہیں ہے جھوٹی گواہی نہ دینا وغیرہ"
(ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۵۹۲)

۴

حقوق العباد یہ ہے کہ خداتعالیٰ کی مخلوق سے ہمدردی کریں

حقوق العباد یہ ہے کہ خداتعالیٰ کی مخلوق سے ہمدردی کریں یہ طریق اچھا نہیں کہ صرف مخالفت مذہب کی وجہ سے کسی کو دکھ دیں ہمدردی اور سلوک الگ چیز ہے اور مخالفت مذہب دوسری شے مسلمانوں کا وہ گروہ جو جہاد کی غلطی اور غلط فہمی میں مبتلا ہیں انہوں نے یہ بھی جائز رکھا ہے کہ کفار کا مال ناجائز طور پر لینا بھی درست ہے خود میری نسبت بھی ان لوگوں نے فتویٰ دیا کہ ان کا مال لوٹ لو بلکہ یہاں تک بھی کہ ان کی بیویاں نکال لو۔ حالانکہ اسلام میں اس قسم کی ناپاک تعلیمیں نہ تھی۔ وہ تو ایک صاف اور مصفیٰ مذہب تھا۔ اسلام کی مثال ہم یوں دے سکتے ہیں کہ جیسے باپ اپنے حقوق ابوت کو چاہتا ہے۔ اسی طرح وہ چاہتا ہے کہ اولاد میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی

ہو وہ نہیں چاہتا کہ ایک دوسرے کو مارے۔ اسلام بھی جہاں یہ چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا کوئی شریک نہ ہو وہاں اس کا یہ بھی منشا ہے کہ نوع انسان میں مودت اور وحدت ہو۔ نماز میں جو جماعت کا زیادہ ثواب رکھا ہے اس میں یہی غرض ہے کہ وحدت پیدا ہوتی ہے اور پھر اس وحدت کو عملی رنگ میں لانے کی یہاں تک ہدایت اور تاکید ہے کہ باہم پاؤں بھی مساوی ہوں صف سیدھی ہو اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ گویا ایک ہی انسان کا حکم رکھیں اور ایک کے انوار دوسرے میں سرایت کر سکیں۔ وہ تمیز جس سے خودی اور خود غرضی پیدا ہوتی ہے نہ رہے۔"

(ملفوظات جلد چہارم ص۵۵۲)

۵

سورہ فاتحہ میں تمام نوع انسان کی ہمدردی داخل ہے

دُعا کے بارہ میں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفاتحہ میں دُعا سکھلائی ہے یعنی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ (الفاتحہ: ۶)

اس میں تین لحاظ رکھنے چاہئیں:

(۱) ایک یہ کہ تمام بنی نوع کو اس میں شریک رکھے۔ (۲) تمام مسلمانوں کو۔

(۳) تیسرے اُن حاضرین کو جو جماعت نماز میں داخل ہیں۔

پس اس طرح کی نیت سے کل نوعِ انسان اس میں داخل ہوں گے

اور یہی منشاء خدا تعالیٰ کا ہے کیونکہ اس سے پہلے اسی سورت میں اس نے اپنا نام رب العالمین رکھا ہے۔ جو عام ہمدردی کی ترغیب دیتا ہے جس میں حیوانات بھی داخل ہیں۔ پھر اپنا نام رحمان رکھا ہے۔ اور یہ نام نوع انسان کی ہمدردی کی ترغیب دیتا ہے کیونکہ یہ رحمت انسانوں سے خاص ہے اور پھر اپنا نام رحیم رکھا ہے اور یہ نام مومنوں کی ہمدردی کی ترغیب دیتا ہے۔ کیونکہ رحیم کا لفظ مومنوں سے خاص ہے اور پھر اپنا نام مالِكِ يَوْمِ الدِّين رکھا ہے اور یہ نام جماعت موجودہ کی ہمدردی کی ترغیب دیتا ہے کیونکہ یوم الدین وہ دن ہے جس میں خدا تعالیٰ کے سامنے جماعتیں حاضر ہوں گی۔ سو اسی تفصیل کے لحاظ سے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کی دعا ہے۔ پس اس قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا میں تمام نوع انسان کی ہمدردی داخل ہے اور اسلام کا اصول یہی ہے کہ سب کا خیر خواہ ہو۔" (تفسیر سورۃ فاتحہ ص۲۹۱)

۶

دشمن کے ساتھ بھی حد سے زیادہ سختی نہ ہو

"اصل بات یہ ہے کہ سب سے مشکل اور نازک مرحلہ حقوق العباد ہی کا ہے کیونکہ ہر وقت اس کا معاملہ پڑتا ہے اور ہر آن یہ ابتلا سامنے رہتا ہے۔ پس اس مرحلہ پر بہت ہی ہوشیاری سے قدم اٹھانا چاہیئے۔ میرا تو یہ مذہب ہے کہ دشمن کے ساتھ بھی حد سے بڑھ کر وہ سختی نہ ہو۔ بعض لوگ چاہتے ہیں کہ جہاں تک بھی ہو سکے اس کی تخریب اور بیخ کنی کے لئے سعی کی جاوے پھر وہ اس کے جائز و ناجائز امور کی بھی پروا نہیں کرتے اس کو بدنام کرنے

کے واسطے جھوٹی تہمت اس پر لگاتے، افتراء کرتے اور اس کی غیبت کرتے اور دوسروں کو اس کے خلاف اکساتے ہیں۔ اب بتاؤ کہ معمولی دشمنی سے کسقدر برائیوں اور بدیوں کا وارث بنا اور پھر یہ بدیاں جب اپنے بچے دیں گی تو کہاں تک نوبت پہنچے گی۔"

(ملفوظات جلد چہارم ص ۴۲۹)

۷

جب تک دشمن کیلئے دُعا نہ کی جائے پورے طور پر سینہ صاف نہیں ہوتا

بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی میں میرا یہ مذہب ہے کہ جب تک دشمن کیلئے دُعا نہ کی جاوے پورے طور پر سینہ صاف نہیں ہوتا۔ ادعونی استجب لکم (المومن: ۶۱) میں اللہ تعالیٰ نے قید نہیں لگائی کہ دشمن کے لیے دُعا کرو تو قبول نہیں کروں گا۔ بلکہ میرا تو یہ مذہب ہے کہ دشمن کے لئے دُعا کرنا یہ بھی سنّت نبوی ہے حضرت عمرؓ اسی سے مسلمان ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لئے اکثر دُعا کیا کرتے تھے اس لئے بخل کے ساتھ ذاتی دشمنی نہیں کرنی چاہیئے اور حقیقۃً موذی نہیں ہونا چاہیئے۔ شکر کی بات ہے کہ ہمیں اپنا کوئی دشمن نظر نہیں آتا جس کے واسطے دو تین مرتبہ دُعا نہ کی ہو ایک بھی ایسا نہیں اور یہی میں تمہیں کہتا ہوں اور سکھاتا ہوں۔ خدا تعالیٰ اس سے کہ کسی کو حقیقی طور پر ایذا پہنچائی جاوے اور ناحق بخل کی راہ سے دشمنی کی جاوے ایسا ہی بیزار ہے جیسے وہ نہیں چاہتا کہ کوئی اس کے ساتھ ملایا جاوے۔ ایک جگہ وہ فصل اور ایک جگہ وہ وصل نہیں چاہتا یعنی بنی نوع

انسان کا باہمی فعل اور اپنا کسی غیر کے ساتھ وصل اور یہ وہی راہ ہے کہ منکروں کے واسطے بھی دُعا کی جاوے اس سے سینہ صاف اور انشراح پیدا ہوتا ہے اور ہمت بلند ہوتی ہے اس لئے جب تک ہماری جماعت یہ رنگ اختیار نہیں کرتی اُس میں اُن کے غیر میں پھر کوئی امتیاز نہیں ہے۔ میرے نزدیک یہ ضروری امر ہے کہ جو شخص ایک کے ساتھ دین کی راہ سے دوستی کرتا ہے اور اس کے عزیزوں سے کوئی ادنیٰ درجہ کا ہے تو اس کے ساتھ نہایت رفق اور ملائمت کے ساتھ پیش آنا چاہیئے اور اُن سے محبت کرنی چاہیئے۔"

(ملفوظات جلد دوم ص۶۹)

۸

مخلوق خدا سے ایسی ہمدردی سے پیش آؤ جیسا کہ مائیں اپنے بچوں کے ساتھ پیش آتی ہیں

"خدا تم سے کیا چاہتا ہے۔ بس یہی کہ تم تمام نوع انسان سے عدل سے پیش آیا کرو۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اُن سے بھی نیکی کرو جنہوں نے تم سے کوئی نیکی نہیں کی پھر اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ تم مخلوق خدا سے ایسی ہمدردی کے ساتھ پیش آؤ کہ گویا تم اُن کے حقیقی رشتہ دار ہو جیسا کہ مائیں اپنے بچوں سے پیش آتی ہیں کیونکہ احسان میں ایک خودنمائی کا مادہ بھی مخفی ہوتا ہے اور احسان کرنے والا بھی اپنے احسان کو جتلا بھی دیتا ہے لیکن وہ جو ماں کی طرح طبعی جوش سے نیکی کرتا ہے وہ کبھی خودنمائی نہیں کر سکتا۔ پس آخری درجہ نیکیوں کا طبعی جوش ہے جو ماں کی طرح ہو اور یہ

آیت نہ صرف مخلوق کے متعلق ہے بلکہ خدا کے متعلق بھی ہے خدا سے عدل یہ ہے کہ اس کی نعمتوں کو یاد کرکے اس کی فرمانبرداری کرنا اور خدا سے احسان یہ ہے کہ اُس کی ذات پر ایسا یقین کر لینا کہ گویا اس کو دیکھ رہا ہے۔"

۹

ہر ایک مدد کے محتاج کو اپنی خداداد قوت سے مدد دینا

"خلق کی خدمت اس طرح سے کہ جس قدر خلقت کی حاجات ہیں اور جس قدر مختلف وجوہ اور طریق کی راہ سے قسام ازلی نے بعض کو بعض کا محتاج کر رکھا ہے۔ ان تمام امور میں محض للہ اپنی حقیقی اور بے غرضانہ اور سچی ہمدردی سے جو اپنے وجود سے صادر ہو سکتی ہے ان کو نفع پہنچاوے اور ہر ایک مدد کے محتاج کو اپنی خداداد قوت سے مدد دے اور ان کی دنیا و آخرت دونوں کی اصلاح کے لئے زور لگا دے۔"

(روحانی خزائن جلد ۵ ص ۶۱)

۱۰

حقوق العباد کی پرواہ نہ کرنیوالا آخر حقوق اللہ کو بھی چھوڑ دیتا ہے

"اللہ تعالیٰ نے جابجا رحم کی تعلیم دی ہے۔ یہی اخوت اسلامی کا منشا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرمایا ہے کہ تمام مسلمان مومن آپس میں بھائی ہیں ایسی صورت میں کہ تم میں اسلامی اخوت قائم ہو اور پھر اس سلسلہ میں ہونے کی وجہ سے دوسری اخوت بھی ساتھ ہو۔ یہ بڑی غلطی ہوگی کہ کوئی شخص مصیبت میں گرفتار ہو اور قضاء قدر سے اُسے ماتم پیش آجاوے تو دوسرا تجہیز و تکفین میں بھی اُس کا شریک نہ ہو۔ ہرگز ہرگز اللہ تعالیٰ کا یہ منشا نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ جنگ میں شہید ہوتے یا مجروح ہو جاتے تو مَیں یقین نہیں رکھتا کہ صحابہ انہیں چھوڑ کر چلے جاتے ہوں یا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر راضی ہو جاتے کہ وہ ان کو چھوڑ کر چلے جاویں۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ ایسی وارداتوں کے وقت ہمدردی بھی ہو سکتی ہے۔ اور احتیاط مناسب بھی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔ اوّل تو کتاب اللہ سے یہ مسئلہ ملتا ہی نہیں کہ کوئی مرض لازمی طور پر دوسرے کو لگ بھی جاتی ہے۔ ہاں جس قدر تجارب سے معلوم ہوتا ہے اُس کے لئے بھی نص قرآنی سے احتیاط مناسب کا پتہ لگتا ہے۔ جہاں ایسا مرکز وبا کا ہو کہ وہ شدت سے پھیلی ہوئی ہو۔ وہاں احتیاط کرے۔ لیکن اس کے بھی یہ معنے نہیں کہ ہمدردی ہی چھوڑ دے۔ خدا تعالیٰ کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ انسان ایک میّت سے اس قدر بُعد اختیار کرے کہ میّت کی ذلّت ہو اور پھر اس کے ساتھ ساری جماعت کی ذلّت ہو۔

آئندہ خوب یاد رکھو کہ ہرگز اس بات کو نہیں کرنا چاہیئے۔ جبکہ خدا تعالےٰ نے تمہیں بھائی بنا دیا ہے تو پھر نفرت اور بُعد کیوں ہے؟ اگر وہ بھی مرے گا تو اس کی بھی کوئی خبر نہ لے گا اور اس طرح پر اخوت کے حقوق تلف ہو جائیں گے۔

خدا تعالیٰ نے دو ہی قسم کے حقوق رکھے ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد جو شخص حقوق العباد کی پروا نہیں کرتا وہ آخر حقوق اللہ کو بھی چھوڑ دیتا ہے کیونکہ حقوق العباد کا لحاظ رکھنا یہ بھی تو امر الٰہی ہے جو حقوق اللہ کے نیچے ہے۔

یہ خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ پر توکل بھی کوئی چیز ہے۔ یہ مت سمجھو کہ تم نری پرہیزوں سے بچ سکتے ہو۔ جب تک خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق نہ ہو اور انسان اپنے آپ کو کارآمد انسان نہ بنالے اس وقت تک اللہ تعالیٰ اس کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ خواہ وہ ہزار بھاگتا پھرے۔ کیا وہ لوگ جو طاعون میں مبتلا ہوتے ہیں وہ پرہیز نہیں کرتے؟ میں نے سُنا ہے کہ لاہور میں نواب صاحب کے قریب ہی ایک انگریز رہتا تھا وہ مبتلا ہو گیا حالانکہ یہ لوگ تو بڑے پرہیز کرنے والے ہوتے ہیں۔ نرا پرہیز کچھ چیز نہیں جب تک خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق نہ ہو۔ پس آئندہ کے لئے یاد رکھو کہ حقوق اخوت کو ہرگز نہ چھوڑو ورنہ حقوق اللہ بھی نہ رہیں گے۔ خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ طاعون کا سلسلہ جو مرکز پنجاب ہو گیا ہے کب تک جاری رہے لیکن مجھے یہی بتایا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد: ۱۲)

اللہ تعالیٰ کسی حالت میں قوم میں تبدیلی نہ کرے گا جب تک لوگ دلوں کی تبدیلی

نہ کریں گے۔ ان باتوں کو سُن کر یُوں تو ہر شخص جواب دینے کو تیار رہا جاتا ہے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں۔ استغفار بھی کرتے ہیں۔ پھر کیوں مصائب اور ابتلا آجاتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ خداتعالیٰ کی باتوں کو جو سمجھ لے وہی سعید ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا منشا کچھ اور ہوتا ہے۔ سمجھا کچھ اور جاتا ہے۔ اور پھر اپنی عقل اور عمل کے پیمانہ سے اسے ماپا جاتا ہے یہ ٹھیک نہیں۔ ہر چیز جب اپنے مقررہ وزن سے کم استعمال کی جاوے تو وہ فائدہ نہیں ہوتا جو اس میں رکھا گیا ہے۔ مثلاً ایک دوائی جو تولہ کھانی چاہیئے اگر تولہ کی بجائے ایک بوند استعمال کی جاوے تو اس سے کیا فائدہ ہوگا اور اگر روٹی کی بجائے کوئی ایک دانہ کھالے تو کیا وہ سیری کا باعث ہو سکے گا؟ اور پانی کے پیالے کی بجائے ایک قطرہ سیراب کر سکے گا؟ ہرگز نہیں۔ یہی حال اعمال کا ہے۔ جب تک وہ اپنے پیمانہ پر نہ ہوں وہ اُوپر نہیں جاتے ہیں۔ یہ سنّت اللہ ہے جس کو ہم بدل نہیں سکتے۔ پس یہ بالکل خطا ہے کہ اسی ایک امر کو پلّے باندھ لو کہ طاعون والے سے پرہیز کریں تو طاعون نہ ہوگا۔ پرہیز کرو جہاں تک مناسب ہے لیکن اس پرہیز سے باہمی اخوت اور ہمدردی نہ اُٹھ جاوے۔" (ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۲۶۹)

۱۱

خداتعالیٰ فرماتا ہے کہ تم آپس میں ایک وجود کی طرح بن جاؤ

"یاد رکھو کہ ایک مسلمان کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پُورا کرنے کے واسطے ہمہ تن تیار رہنا چاہیئے اور جیسے زبان سے خداتعالیٰ کو اس کی ذات

اور صفات میں وحدہٗ لاشریک سمجھتا ہے ایسے ہی عملی طور پر اس کو دکھانا چاہیئے۔ اور اس کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی اور ملائمت سے پیش آنا چاہیئے اور اپنے بھائیوں سے کسی قسم کا بھی بغض، حسد اور کینہ نہیں رکھنا چاہیئے اور دوسروں کی غیبت کرنے سے بالکل الگ ہوجانا چاہیئے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ یہ معاملہ تو ابھی دُور ہے کہ تم لوگ خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسے از خود رفتہ اور محو ہوجاؤ کہ بس اُسی کے ہوجاؤ اور جیسے زبان سے اس کا اقرار کرتے ہو عمل سے بھی کر کے دکھاؤ۔ ابھی تو تم لوگ مخلوق کے حقوق کو بھی کماحقہٗ ادا نہیں کرتے۔ بہت سے ایسے ہیں جو آپس میں فساد اور دشمنی رکھتے ہیں اور اپنے سے کمزور اور غریب شخصوں کو نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں اور بدسلوکی سے پیش آتے ہیں اور ایک دوسرے کی غیبتیں کرتے اور اپنے دلوں میں بغض اور کینہ رکھتے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم آپس میں ایک وجود کی طرح بن جاؤ۔ اور جب تم ایک وجود کی طرح ہوجاؤ گے اس وقت کہہ سکیں گے کہ اب تم نے اپنے نفسوں کا تزکیہ کر لیا۔ کیونکہ جب تک تمہارا آپس میں معاملہ صاف نہیں ہوگا۔ اس وقت تک خدا تعالےٰ سے بھی معاملہ صاف نہیں ہو سکتا۔ گو ان دونوں قسم کے حقوق میں بڑا حق خدا تعالیٰ کا ہے مگر اس کی مخلوق کے ساتھ معاملہ کرنا یہ بطور آئینہ کے ہے جو شخص اپنے بھائیوں سے صاف صاف معاملہ نہیں کرتا وہ خدا تعالےٰ کے حقوق بھی ادا نہیں کر سکتا۔

یاد رکھو۔ اپنے بھائیوں کے ساتھ بکلی صاف ہوجانا یہ آسان کام نہیں بلکہ نہایت مشکل کام ہے۔ منافقانہ طور پر آپس میں ملنا جلنا اور بات ہے مگر سچی محبت اور ہمدردی سے پیش آنا اور چیز ہے۔ یاد رکھو اگر جماعت میں سچی ہمدردی نہ ہوگی تو پھر یہ تباہ ہو جائے گی اور خدا اس کی جگہ کوئی اور جماعت پیدا کرے گا۔" (ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۶۰۴)

۱۲

ازدواجی تعلق محبت کے دائروں کو وسیع کرتا ہے

جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ ظلم اور شرارت کا برتاؤ رکھتا ہے ممکن نہیں کہ وہ دوسروں کے ساتھ بھی بھلائی کر سکے

پس اصل جڑ شفاعت کی یہی محبت ہے جبکہ اس کے ساتھ فطرتی تعلق بھی ہو۔ کیونکہ بجز فطرتی تعلق کے محبت کا کمال جو شرط شفاعت ہے غیر ممکن ہے۔ اس تعلق کو انسانی فطرت میں داخل کرنے کے لئے حوا کو علیحدہ پیدا نہ کیا۔ بلکہ آدم کی پسلی سے ہی اس کو نکالا۔ جیسا کہ قرآن شریف میں فرمایا ہے

وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا (سورۃ نساء: ۲)

یعنی آدم کے وجود میں سے ہی ہم نے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ جو حوا ہے۔ تا آدمؑ کا یہ تعلق حوا اور اس کی اولاد سے طبعی ہو نہ بناوٹی۔ اور یہ اس لئے کیا کہ تا آدم زادوں سے تعلق اور ہمدردی کو بقا ہو۔ کیونکہ طبعی تعلق غیر منفک ہوتے ہیں۔ مگر غیر طبعی تعلق کے لئے بقا نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں وہ باہمی کشش نہیں ہے۔ جو طبعی میں ہوتی ہے۔ غرض خدا نے اس طرح یہ دونوں قسم کے تعلق جو آدمؑ کے لئے خدا سے اور بنی نوع سے ہونے چاہیئے تھے طبعی طور پر پیدا کئے۔ پس اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ کامل انسان جو شفیع ہونے کے لائق ہو وہی شخص ہو سکتا ہے جس نے ان دونوں تعلقوں سے کامل حصہ لیا ہو۔ اور کوئی شخص بغیر ان ہر دو قسم کے کمال کے انسان

کامل نہیں ہو سکتا۔ اسی لیئے آدم کے بعد بھی سنت اللہ اسی طرح پر جاری ہوئی۔ کہ کامل انسان کے لیئے جو شفیع ہو سکتا ہے۔ یہ دونوں تعلق ضروری ٹھہرائے گئے۔ یعنی ایک یہ تعلق کہ ان میں آسمانی رُوح پھونکی گئی اور خدا نے ایسا اُن سے اتصال کیا۔ کہ گویا ان میں اُتر آیا۔ اور دوسرے یہ کہ بنی نوع کی زوجیت کا وہ جوڑا جو حوّا اور آدم میں باہمی ہمدردی اور محبّت کے ساتھ مستحکم کیا گیا تھا اُن میں سب سے زیادہ چمکایا گیا۔ اسی تحریک سے ان کو بیویوں کی طرف بھی رغبت ہوئی اور یہی ایک اوّل علامت اس بات کی ہے۔ کہ اُن میں بنی نوع کی ہمدردی کا مادہ ہے۔ اور اسی کی طرف وہ حدیث اشارہ کرتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ

یعنی تم میں سب سے زیادہ بنی نوع کے ساتھ بھلائی کرنے والا وہی ہو سکتا ہے۔ کہ پہلے اپنی بیوی کے ساتھ بھلائی کرے۔ مگر جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ ظلم اور شرارت کا برتاؤ رکھتا ہے ممکن نہیں کہ دوسروں کے ساتھ بھی بھلائی کر سکے۔ کیونکہ خدا نے آدم کو پیدا کر کے سب سے پہلے آدم کی محبت کا مصداق اس کی بیوی کو ہی بنایا ہے۔ پس جو شخص اپنی بیوی سے محبت نہیں کرتا۔ یا اس کی خود بیوی ہی نہیں وہ کامل انسان ہونے کے مرتبہ سے گرا ہوا ہے۔ اور شفاعت کی دو شرطوں میں سے ایک شرط اس میں مفقود ہے۔ اس لئے اگر عصمت اس میں پائی بھی جائے تب بھی وہ شفاعت کرنے کے لائق نہیں۔ لیکن جو شخص کوئی بیوی نکاح میں لاتا ہے۔ وہ اپنے لئے بنی نوع کی ہمدردی کی بنیاد ڈالتا ہے۔ کیونکہ ایک بیوی بہت سے رشتوں کا موجب ہو جاتی ہے۔ اور بچے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی بیویاں آتی ہیں اور

بچوں کی نانیاں اور بچوں کے ماموں وغیرہ ہوتے ہیں۔ اور اس طرح پر ایسا شخص خواہ نخواہ محبت اور ہمدردی کا عادی ہو جاتا ہے اور اس کی اس عادت کا دائرہ وسیع ہو کر سب کو اپنی ہمدردی سے حصّہ دیتا ہے۔ لیکن جو لوگ جوگیوں کی طرح نشوونما پاتے ہیں ان کو اس عادت کے وسیع کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اس لئے ان کے دل سخت اور خشک رہ جاتے ہیں۔"

(تفسیر سورۃ البقرہ از حضرت مسیح موعودؑ صفحہ ۳۵۹)

۱۴

جو نفع رساں وجود ہوتے ہیں انکی عمر دراز ہوتی ہے

ہر ایک شخص چاہتا ہے کہ اس کی عمر دراز ہو لیکن بہت کم ہیں وہ لوگ جنہوں نے کبھی اس اصول اور طریق پر غور کی ہو۔ جس سے انسان کی عمر دراز ہو۔ قرآن شریف نے ایک اصول بتایا ہے کہ

وَ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ۔ (الرعد: ۱۸)

یعنی جو نفع رساں وجود ہوتے ہیں۔ ان کی عمر دراز ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ان لوگوں کو درازیٔ عمر کا وعدہ فرمایا ہے جو دوسرے لوگوں کے لئے مفید ہیں۔ حالانکہ شریعت کے دو پہلو ہیں۔ اوّل خدا تعالیٰ کی عبادت دوسرے بنی نوع سے ہمدردی لیکن یہاں یہ پہلو اس لئے اختیار کیا ہے کہ کامل عابد وہی ہوتا ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے۔ پہلے پہلو میں اوّل مرتبہ خدا تعالیٰ کی محبت اور توحید کا ہے۔ اس میں انسان کا فرض ہے کہ دوسروں کو نفع

پہنچائے ۔ اور اس کی صورت یہ ہے ۔ اُن کو خدا کی محبت پیدا کرنے اور اس کی توحید پر قائم ہونے کی ہدایت کرے ۔ جیسا کہ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۔ سے پایا جاتا ہے ۔ انسان بعض وقت خود ایک امر کو سمجھ لیتا ہے لیکن دوسرے کو سمجھانے پر قادر نہیں ہوتا ۔ اس لئے اس کو چاہیئے کہ محنت اور کوشش کرکے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاوے ۔ ہمدردی خلائق یہی ہے کہ محنت کرکے دماغ خرچ کرکے ایسی راہ نکالے کہ دوسروں کو فائدہ پہنچا سکے ۔ تاکہ عمر دراز ہو ؟

(تفسیر سورہ یونس تا سورہ الکہف از حضرت مسیح موعودؑ)

۱۴

حقوق العباد کا خیال رکھنے والا نصف قرآن پر ایمان لانیوالا ہے

اخلاق فاضلہ اسی کا نام ہے بغیر کسی عوض معاوضہ کے خیال سے نوع انسان سے نیکی کی جاوے ۔ اسی کا نام انسانیت ہے ۔ ادنیٰ صفت انسان کی یہ ہے کہ بدی کا مقابلہ کرنے یا بدی سے درگذر کرنے کی بجائے بدی کرنے والے کے ساتھ نیکی کی جاوے ۔ یہ صفت انبیاء کی ہے اور پھر انبیاء کی صحبت میں رہنے والے لوگوں کی ہے ۔ اور اس کا اکمل نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں ۔ خدا تعالیٰ ہرگز ضائع نہیں کرتا ۔ ان دلوں کو کہ ان میں ہمدردی بنی نوع ہوتی ہے ۔

صفات حسنہ اور اخلاق فاضلہ کے دو ہی حصے ہیں اور وہی قرآن شریف کی پاک تعلیم کا خلاصہ اور لب لباب ہیں ۔ اوّل یہ کہ حق اللہ کے ادا کرنے میں

عبادت کرنا ۔ فسق و فجور سے بچنا اور کل محرمات الٰہی سے پرہیز کرنا اور اوامر کی تعمیل میں کمر بستہ رہنا ۔ دوئم یہ کہ حق العباد ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے اور بنی نوع انسان سے نیکی کرے ۔ بنی نوع انسان کے حقوق بجا نہ لانے والے لوگ خواہ حق اللہ کو ادا کرتے ہی ہوں بڑے خطرے میں ہیں کیونکہ اللہ تعالٰے تو ستّار ہے ۔ غفّار ہے ۔ رحیم ہے اور حلیم ہے اور معاف کرنے والا ہے ۔ اس کی عادت ہے کہ اکثر معاف کر دیتا ہے مگر بندہ (انسان) کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ کبھی کسی کو کم ہی معاف کرتا ہے ۔ پس اگر انسان اپنے حقوق معاف نہ کرے تو پھر وہ شخص جس نے انسانی حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کی ہو یا ظلم کیا ہو خواہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں کوشاں ہی ہو ۔ اور نماز روزہ وغیرہ احکام شرعیہ کی پابندی کرتا ہی ہو ۔ مگر حق العباد کی پروا نہ کرنے کی وجہ سے اس کے اور اعمال بھی حبط ہونے کا اندیشہ ہے ۔

غرض مومن حقیقی وہی ہے جو حق اللہ اور حق العباد دونوں کو پورے التزام اور احتیاط سے بجا لاوے ۔ جو دونوں پہلوؤں کو پوری طرح سے مدنظر رکھ کر اعمال بجا لاتا ہے وہی ہے کہ پورے قرآن پر عمل کرتا ہے ۔ ورنہ نصف قرآن پر ایمان لاتا ہے ۔ مگر یہ ہر دو قسم کے اعمال انسانی طاقت میں نہیں کہ بزور بازو اور اپنی طاقت سے بجا لانے پر قادر ہو سکے ۔ انسان نفس امارہ کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے ۔ جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل اور توفیق اس کے شامل حال نہ ہو کچھ بھی نہیں کر سکتا ۔ لہٰذا انسان کو چاہیئے کہ دُعائیں کرتا رہے تاکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اُسے نیکی پر قدرت دی جاوے اور نفس امّارہ کی قیدوں سے رہائی عطا کی جاوے ۔ یہ انسان کا سخت دشمن ہے ۔ اگر نفس امارہ نہ ہوتا تو شیطان بھی نہ ہوتا ۔ یہ انسان کا اندرونی دشمن اور مارِ آستین ہے ۔ اور

شیطان بیرونی دشمن ہے۔ قاعدہ کی بات ہے کہ جب چور کسی کے مکان میں نقب زنی کرتا ہے تو کسی گھر کے بھیدی اور واقف کار سے پہلے سازش کرنی ضروری ہوتی ہے۔ بیرونی چور بجز اندرونی بھیدی کی سازش کے کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ پس یہی وجہ ہے کہ شیطان بیرونی دشمن، نفسِ امارہ اندرونی دشمن اور گھر کے بھیدی سے سازش کر کے ہی انسان کے متاعِ ایمان پر نقب زنی کرتا ہے اور نورِ ایمان کو غارت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء (یوسف: ۵۴) یعنی میں اپنے نفس کو بری نہیں ٹھہراتا اور اس کی طرف سے مطمئن نہیں کہ نفس پاک ہو گیا ہے۔ بلکہ یہ تو شریر الحکومت ہے۔"

(ملفوظات جلد پنجم صہ۵۸)

۱۵

اگر سچی اخوت نہیں تو جماعت تباہ ہوجائیگی

"دیکھو! مومن کے مومن پر بڑے حقوق ہیں۔ جب وہ بیمار پڑے تو عیادت کو جائے۔ اور جب مرے تو اس کے جنازہ پر جائے۔

ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر جھگڑا نہ کرے۔ بلکہ درگذر سے کام لے۔ خدا کا یہ منشاء نہیں کہ تم ایسے رہو۔ اگر سچی اخوت نہیں تو جماعت تباہ ہو جائے گی۔"

(ملفوظات جلد پنجم صہ۲۷)

از پشاور شہر
کوچہ گل بادشاہ
۴۷/۲۶ - ۳ - ۱۷

عزیزم مکرم و معظم جناب مرزا صاحب

اللہ تعالیٰ آپ سب پر اپنی خاص برکتوں اور فضلوں کے وہ سب دروازے جو بند ہیں ہمیشہ کے لئے کھول دے اور تا ابد کھلے رکھے۔ آمین ثم آمین۔

آپ کا خط بوجہ فتنہ و فساد ڈاک کے انتظام کے خراب ہونے کے باعث دیر سے مل سکا۔ یعنی آپ کا ۹ر کا لکھا ہوا خط آج ۱۷ر کو ملا۔ میں آپ سب کے لئے دعا کرتا ہوں۔ آپ سب بھی مجھ خاکسار اور گنہگار کے لئے بہت بہت دعائیں فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور میرے اہل و عیال اور نسلوں کو بھی خاص رحمت و مغفرت کی وسیع چادر میں لپیٹ لے۔ اور دنیا سے دین کے وسیع فضلوں اور نوروں کے ساتھ آخرت کو سدھاریں اور ایمان اور عرفان اور محبت اور عشق الٰہی کے کامل مدارج اور کامل برکات کے ساتھ اپنے قدوس اور محسن مولا کی رحمت نواز اور لطف و کرم کی گود میں جگہ فراخ مل سکے۔

(۱)

خداوندا! تو اپنا فضل کر دے — ہیں خالی ظرف تو فضلوں سے بھر دے
ترے فضل و کرم کی ہے ہمیں آس — بجز اس آس کے کچھ بھی نہیں پاس
تو وہ قادر ہے جب قدرت دکھائے — تو ہر مایوس بھی رحمت کو پائے
ہے تو ہی عاجزوں کا اک سہارا — تیرے بن کون ہے یارب ہمارا
تو اپنے فضل کے سب کھول دے در — تو اپنی شانِ رحمت کو عیاں کر
ہمارے عیب ڈھانپ اپنے کرم سے — رہائی بخش ہر رنج و الم سے
سزاؤں کے عوض رحمت عطا کر — گنہ گاروں کو بخشش سے رہا کر
تو غمگینوں کا ہو دلدار مولا — تو ہے ستار اور غفار مولا
ترا فضل و کرم جو یار ہو وے — تو بیڑا عاجزوں کا پار ہو وے

ہر اک ظلمت سے ہم کو دُور رکھیو — ہمارا جان و دل پُر نُور رکھیو
محبت عشق کے ساغر پلا دے — حیاتِ عشق سے مردے جلا دے
تو ہم سب کا بڑا محبوب بن جا — ہماری جان کا مطلوب بن جا
تو اسماعیل مرزا پر کرم کر — تو اُس کی اہلیہ کا دُور غم کر
بنا ادریس اور یونس کو کامل — رہے رحمت ہمیشہ ان کے شامل
ہر اک برکت کی بارش سب پہ برسا — عطا ہو سب کو فیض دین و دنیا
ترے فضلوں کے ہم سب اک نشاں ہوں — ترے پیارے بھی ہم پر مہرباں ہوں
ہیں ہم سب ہی ترے محتاج یارب — تو محتاجوں کی رکھ لے لاج یارب
مری یہ عرض ہے منظور کر لے — گنہ گاروں کو ہاں مغفور کر لے

(۲)

میرے پیارے نہایت ہی پیارے
خدا خود کام سب تیرے سنوارے

ہر اک نعمت ملے تجھ کو خدا سے
نہ کچھ حاجت رہے تا ماسوا سے

خدا کافی رہے ہر حال تیرا
رہے خرم سدا ہر بال تیرا

خدا قرضوں سے فارغ حال رکھے
ہمیشہ مال سے پُر مال رکھے

تری اولاد کو دل شاد رکھے
جہاں رکھے انہیں آباد رکھے

ہمیشہ قرض سے ان کو بچائے
ہمیشہ مال و دولت سے بڑھائے

رہے دن رات ان کا عید وانگوں
زبان و دل رہے تحمید وانگوں

رہیں دل شاد سب ہی دو جہاں میں
ملے برکت انہیں کون و مکاں میں

خدا سب کو سدا خوشنود رکھے
مصیبت کو سدا نابود رکھے

میاں قدسی دُعا کر ہاں دُعا کر
ہاں اپنے رب کی ہر دم ثنا کر

دعائیں جو لکھی ہیں سب عطا ہوں
بہ فیضِ حضرتِ ربّ الوراء ہوں

درسِ توحید

وُہ دیکھتا ہے غیروں سے کیوں دِل لگاتے ہو
جو کچھ بُتوں میں پاتے ہو اُس میں وُہ کیا نہیں

سُورج پہ غور کر کے نہ پائی وُہ روشنی
جب چاند کو بھی دیکھا تو اُس یار سا نہیں

واحد ہے لاشریک ہے اور لازوال ہے
سب مَوت کا شِکار ہیں اُس کو فنا نہیں

سب خیر ہے اِسی میں کہ اُس سے لگاؤ دِل
ڈھونڈو اُسی کو یارو بُتوں میں وفا نہیں

اِس جائے پُر عذاب سے کیوں دِل لگاتے ہو
دوزخ ہے یہ مقام یہ بُستاں سرا نہیں

(رسالہ تشحیذ الاذہان ماہ دسمبر ۱۹۱۰ء)